محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسباق وموعظت کے چند پہلو

مقدمہ

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی دامت برکاتہم

بہ اہتمام

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

ناشر

دارین بکڈپو، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

غزواتِ نبوی ﷺ

اسباق وموعظت کے چند پہلو



محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

ناشر

دارین بکڈپو، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

Mob: 9795957670

نام کتاب	:	غزواتِ نبوی ﷺ ـــــ اسباق وموعظت کے چند پہلو
نام مؤلف	:	محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

(E-mail: jamiljh04@gmail.com/Mob: 9742767667/8292017888)

سرورق وتزئین	:	مولانا ابراہیم جامعی ڈونگرکر
بہ اہتمام	:	مولانا اکرام الحق ندوی
سن طباعت	:	۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۷ء
تعداد	:	۱۰۰۰
ناشر	:	دارین بکڈپو، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ
قیمت	:	۱۰۰/روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبۃ النظیر یوکے

☆ ملت بک سینٹر، کرمینجیشور، تعلقہ کنداپورا، ضلع: اڈپی (کرناٹک)

☆ جامعہ ام المؤمنین ام سلمہؓ، فردوس نگر، توپچانچی، دھنباد (جھارکھنڈ)

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کنداپورا تعلق، ضلع: اڈپی (کرناٹک)

☆ دارالعلم، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

فہرست مضامین

عناوین		صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از: حضرت مولانا **سید سلمان الحسینی ندوی** دامت برکاتہم

اسلام اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی اطاعت کا کائناتی نظام ہے، جس کے ماتحت آسمان، فضائیں اور زمین اور ان کے اندر کی تمام مخلوقات کام کررہی ہیں، اس نظام کے سب سے زیادہ فرمابردار کارپرداز فرشتے ہیں، جن وانس اس نظامِ اسلام کے باقاعدہ اور بااختیار مکلّف ہیں، جنوں اور انسانوں میں سے اس نظام کے باغی ''**شیاطین الجن والإنس**'' کہلاتے ہیں۔

قرآن اس جامع، دائمی، عالمی اور ہمہ گیر نظام کا دستور ہے، اسلامی قانون کی بنیادی دفعات اس میں ذکر کردی گئی ہیں اور ماضی کے عبرتناک واقعات بھی اس میں پیش کردئے گئے ہیں، مستقبل کے بارے میں اطاعت اور عدم اطاعت کے سلسلہ میں پیشین گوئیاں بھی ذکر کردی گئی ہیں۔

پیغمبروں کے سلسلہ کی آخری کڑی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ ہیں، ان کی نبوت قرآن کی طرح عالمی اور دائمی ہے، قرآن ان پر اتارا گیا اور اس کی تفسیر وتشریح اور بیان کی ذمہ داری انہیں پر ڈالی گئی، ان کی حیاتِ طیبہ کو سراپا قرآنِ پاک کی ترجمانی کی حیثیت عطا کردی گئی اور ارشاد فرمایا گیا: **لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة**، رسول اللہ ﷺ کو ماڈل اور آئیڈیل بنادیا گیا، آپ ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کو ایک قانونی حیثیت عطا کردی گئی، آپ کے شب وروز، آپ ﷺ کی انفرادی، خاندانی اور معاشرتی زندگی، آپ ﷺ کے معاملات، اخلاق، تعلقات، آپ ﷺ کی جنگیں اور مصالحتیں، غرض کہ آپ ﷺ کا ہر قول وعمل اور آپ ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو ہمارے

لئے مرجع، قانون سازی کا ذریعہ، معلمِ اخلاق اور تہذیب کا سبق ہو گیا۔

عام طور پر قرآنِ پاک کی ''آیات الأحکام'' اور احادیث نبویہ کے فقہی مسائل کو اسلامی فقہ کا اصل سرچشمہ سمجھا گیا اور ساری فقہ انہیں مآخذ کے گرد گردش کرتی رہی؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیرتِ طیبہ پوری کی پوری مأخذ فقہ ہے، ایک عرصہ سے ''**فقه السيرة** '' کے عنوان سے علماء، مفکرین اور محققین نے فقہ کے دائرے کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے، جس سے ''**فقه الأقليات** '' اور فقہِ دورِ حکمرانی اور فقہِ محکومی کے بے شمار مسائل اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی کی یہ کوشش اسی سلسلہ کی ایک ذریں کڑی ہے، انھوں نے غزواتِ نبوی **صلی اللہ علی صاحبہا وسلم** کو صرف جنگی واقعات اور احکام کی حیثیت سے پیش نہیں کیا ہے؛ بل کہ کوشش کی ہے کہ دورانِ غزوات پیش آنے والے واقعات، حالات اور نبی ﷺ کے ہر موقع کے بارے میں موقف سے وہ اسباق حاصل کئے جائیں، وہ ہدایات لئے جائیں، جن سے ملتِ اسلامیہ کے افراد کی ہر موڑ پر رہنمائی ہو اور غزوات کے باب میں اخلاق، تزکیہ اور تربیت، عدل وانصاف اور انسانیت کی مشکلات کے حل نکالے جائیں، الحمد للہ مصنف اس کوشش میں کامیاب ہیں اور انھوں نے تربیتی پہلوؤں کی دریافت میں اپنی جوہر شناسی او ردرّاکی کا بڑا ثبوت فراہم کیا ہے، امید کہ اس کتاب سے قارئین فائدہ اٹھائیں گے اور نئے مصنفین اس نہج پر کام کو آگے بڑھائیں گے، سیرت کی خدمت بڑی بابرکت ہے اور سیرت سے اسباق وموعظت کا یہ دسترخوانِ محمدی سیرابی اور آسودگی کا بڑا سامان رکھتا ہے، اللہ اپنے فضل سے خوب قبول فرمائے، آمین!

سلمان الحسینی

ابتدائیہ

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً، أما بعد !

جنگ وجدال کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے، جتنی انسانی تاریخ؛ بل کہ عالم انسانی کے وجود میں آنے سے پہلے عالم جن میں شدید قسم کی معرکہ آرائیاں ہوتی رہتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ تخلیق انسانی کے بارے میں معلوم ہوتے ہی فرشتے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کر بیٹھے:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ . (البقرة: ۳۰)

کیا آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے، جو اس میں فساد مچائیں اور خون بہائیں۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

أی تجعل فيها الإنسان فيفسد كما أفسدت الجن وسفكت الدماء، فإن أول من سكن الأرض الجن، فأفسدوا فيها، وسفكوا الدماء وقتل بعضهم بعضا. (تفسير ابن كثير: ۱/۶۶)

یعنی اس (زمین) میں انسان کو بسائیں گے کہ وہ فساد مچائے جیسا کہ جنوں نے فساد مچایا وخون بہایا؛ کیوں کہ زمین پر سب سے پہلے آباد ہونے والے جن ہیں، پس ان لوگوں نے اس میں فساد مچایا اور ایک دوسرے کا قتل کر کے خون بہایا۔

عالم انسانی میں لڑائی کی ابتدا قابیل کے اپنے بھائی ہابیل کے قتل سے ہوئی (تفصیل دیکھیں:

روح المعانی برتفسیر سورۂ مائدہ: ۲۸)؛ لیکن یہ سلسلہ شیطانی آنت کی طرح دراز ہوتے ہوتے آج ایک بدہیئت عفریت کی شکل اختیار کر چکا ہے، جس کے خونی جبڑے میں مردوعورت، جوان وبوڑھے اور بچے وبچیاں بغیر کسی امتیاز کے کچلے جارہے ہیں۔

حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت پہلے بھی قبائل عرب کی جنگی حالت نہایت ہی سنگین تھی، معمولی معمولی بات پر جنگ کی ایسی بھٹی سلگتی، جس کے شعلے چالیس چالیس سال تک بھڑکتے رہتے، اس سلسلہ کی تین جنگیں زیادہ مشہور ہیں:

۱- ''حرب بسوس'': جووائل کے دو بیٹے بکر اور تغلب کے مابین کلیب بن ربیعہ کے قتل کے نتیجہ میں شروع ہوئی اور چالیس سال تک چلتی رہی۔

۲- ''داحس وغبراء'': یہ جنگ قبیلۂ عبس وذبیان کے درمیان حرب بسوس کے تھوڑے ہی دن بعد شروع ہوئی، جس کا سبب گھڑسواری کے مقابلہ میں جیتنے کے لئے ایسا حیلہ کرنا تھا، جو دوسرے فریق کو پسند نہ تھا۔

۳- ''جنگ بعاث'': جواوس وخزرج کے دونوں قبیلوں کے درمیان لڑی گئی، یہ اتنی شدید تھی کہ قریب تھا ان دونوں قبیلوں کا نام صفحۂ ہستی سے ہی مٹ جائے۔(تاریخ العرب القدیم لتوفیق برو: ۲۱۶/۱،تاریخ شبه الجزیرة العربية فی عصورها لعبدالعزیز صالح: ۱۸۷/۱، المناقب المزيدية فی أخبار الملوك الأسدية: ۱۹۲/۱) ——— پھر ان جنگوں میں جوقوم فاتح بنتی، مفتوح قوم کے جنگجو مردوں کو قتل، عورتوں اور بچوں کو باندیاں وغلام اور اموال پر قبضہ کر لیتا تھا اور قیدیوں کے ساتھ جانوروں اور اچھوتوں سے بھی بدتر سلوک روا رکھتا تھا، جنگوں کی ان حالات میں سے بعض کا مشاہدہ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے کیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاصۂ خاصانِ رُسل نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ساری

دنیا کے لئے رحمت (**وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين**) اور ایک ایسا نمونہ بنا کر بھیجا، جس کی نظیر تاریخِ وُلدِ آدم میں ملنی محال ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الأحزاب:٢١) ''رسول اللہ (ﷺ) میں تمہارے لئے بہترین اسوہ ہے''، آں حضرت ﷺ کی یہ مثالیت کسی ایک شعبہ کے ساتھ خاص نہیں؛ بل کہ زندگی کے تمام شعبوں میں ہے۔

غزوات سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک روشن باب ہے، جہاں جنگ کی ہولناکیوں اور شدت وحرارت کے باوجود حضور اکرم ﷺ کے ایسے ایسے نمونے سامنے آئے، جن کی مثال نہ تو دنیا پیش کرسکی ہے اور نہ رہتی دنیا تک کرسکتی ہے، فاتح قوم کو مفتوح قوم کے ساتھ کس طرح سلوک کرنا چاہئے؟ فتح وکامرانی کے نشہ میں سرشار قوم کا عمل کیا ہونا چاہئے؟ قیدیوں کے ساتھ کیا رویہ اپنایا جانا چاہئے؟ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا جانا چاہئے؟ ان تمام سوالوں کا حل اور نمونہ ''غزواتِ نبوی ﷺ — اسباق وموعظت کے چند پہلو'' کے اندر تجزیاتی اور دلچسپ ودلکش انداز میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے، امید ہے کہ یہ کتاب قارئین کے لئے نفع کا باعث اور اس حقیر کے لئے ذریعۂ شفاعت ونجات بنے گی۔

اس کتاب کی طباعت پر اس حقیر کی پیشانی تشکر وامتنان کے جذبے سے بارگاہِ خداوندی میں خم ہے کہ محض اسی کے فضل وکرم اور توفیق سے آج کے اس ہوش ربا گرانی کے زمانہ میں یہ کتاب زیورطباعت سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں تک پہنچ سکی، **فلله الحمد والشكر**، اس موقع پر خطیبِ عصر، استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم کے تئیں میں اپنے دل میں شکر وسپاس کے بے پناہ جذبات پاتا ہوں کہ انھوں نے اپنے مصروف ترین اوقات میں سے وقت نکال کر ''غزواتِ نبوی ﷺ — اسباق وموعظت کے چند پہلو'' کو نہ صرف یہ کہ پڑھا؛ بل کہ اس کے لئے اپنے رودبار اشہبِ قلم سے اس حقیر کی ہمت افزائی کے لئے ایک

وقیع مقدمہ بھی تحریر فرمایا، **فجزاه الله أحسن الجزاء.**

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد اور اس کے روحِ رواں فقیہِ عصر، استاذ گرامی قدر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت فیوضہم کا شکریہ ادا نہ کروں کہ اسی ادارہ کی علمی و قلمی پر بہار فضا کا ثمرہ اور استاذ گرامی مدظلہ کی علمی و قلمی پرورش و پرداخت اور چھوٹی سی چھوٹی تحریر پر بے پناہ حوصلہ افزائیوں کا نتیجہ یہ کتاب ہے، اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور حضرۃ الاستاذ کا سایہ تا دیر ہمارے سروں سایہ فگن رکھے، **آمین یارب العالمین!**

میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں عم محترم جناب مولانا آفتاب عالم ندوی دامت برکاتہم (ناظم: جامعہ ام المؤمنین ام سلمہؓ فردوس نگر، دھنباد، جھارکھنڈ) جنھوں نے تعلیمی آغاز سے ہی میری صحیح طور پر رہنمائی کی بھرپور کوشش کی، اسی طرح برادر نسبتی جناب مفتی شہاب الدین قاسمی دامت برکاتہم (جنرل سکریٹری: جمعیۃ علماء جھارکھنڈ) جو میرے علمی کاموں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو صحت و عافیت سے نوازے، آمین!

بڑی احسان ناشناسی ہوگی اگر میں اپنے مشفق والد جناب عبدالجلیل انصاری صاحب اور مشفقہ والدۂ محترمہ کا شکریہ ادا نہ کروں کہ انھیں کی دعائے نیم شبی کے صدقہ میں کاروانِ علم کی اس منزل تک میں پہنچ سکا ہوں، اللہ تعالیٰ انھیں صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر ان کا سایہ قائم رکھے، آمین، نیز اپنی تمام بہنوں بالخصوص چھوٹی ہمشیرہ ام اسامہ صاحبہ اور بھائیوں خاص طور پر برادر معظم جناب مولانا شکیل اختر ندوی مدظلہ کا بھی ممنوں ہوں کہ ان کے حوصلہ افزا کلمات میرے لئے مہمیز کا کام کرتے ہیں، اسی طرح اپنی اہلیہ ام حمنہ کا بھی شکر گزار ہوں، جو میری علمی کاموں کی انجام دہی میں کبھی بھی حارج نہیں ہوتیں؛ بل کہ ہمیشہ سراہتی رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام کو بہتر سے بہتر

بدلہ عطا فرمائے، آمین!

اسی طرح اپنے عزیز شاگرد مفتی عبدالکریم ندوی (استاذ: جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور) کا بھی مشکور ہوں، جنھوں نے نہ صرف پوری کتاب کی پروف ریڈنگ بڑی دلچسپی کے ساتھ کی؛ بل کہ بعض مفید چیزوں کی طرف رہنمائی بھی کی، اسی طرح جناب مولانا ابراہیم جامعی (استاذ: جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور) بھی شکریہ کے مستحق ہیں، جنھوں نے ذاتی دلچسپی لے کر سرورق کی بہترین تزئین کی، نیز خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جناب مولانا اکرام الحق ندوی (مقیم: قطر) جنھوں نے اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں پوری فراخ دلی کے ساتھ دلچسپی دکھائی، اللہ تعالیٰ ان تمام کو بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے، آمین!

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قبولیت سے سرفراز فرما کر نافع اور راقم آثم کے لئے نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ اور دخول جنت کا سبب بنائے، آمین یارب العالمین!!!

ہیچ مداں

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور (کرناٹک)

۲۳/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ

۲۲/جنوری ۲۰۱۷ء

اسلام کی پہلی جنگ —— عبرت وموعظت کے کچھ پہلو

ریاستِ کفر سے نکلنے کے بعد مسلمانوں نے چین کی سانس لینی اوراُن جراحتوں کی مرہم پٹی کرنی شروع کی، جوسنگ دِلانِ مکہ کی طرف سے اُنھیں پہنچائی گئی تھی اورشایداُنھیں یہ خیال بھی ہو چلا ہوگا کہ اب اہلِ مکہ درپۓ آزار نہ ہوں گے اور یہ لوگ طمانینتِ قلب کے ساتھ ریاضت وعبادت میں مشغول ہوسکیں گے؛ لیکن یہ صرف ایک خوش فہمی ثابت ہوئی؛ کیوں کہ چند ہی دنوں کے بعد وہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچنے اور منصوبے بنانے لگے؛ حتیٰ کہ مدینہ کے ایک سردار عبداللہ بن ابی کو ایک دھمکی آمیز خط بھی لکھا کہ: **إنكم آويتم صاحبنا، وإنا نقسم بالله لتقاتلنّه أو لتخرجنه أو لنسيرن إليكم بأجمعنا؛ حتى نقتل مقاتلتكم ونستبيح نساء كم.** (ابوداود، باب في خبر النضير، حدیث نمبر: ٣٠٠٦) ''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم اُن کو قتل کرڈالو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے جنگجوؤں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے''، اسی کے ساتھ ساتھ عرب کے تقریباً تمام قبائل میں گھوم پھر کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آتشِ غضب کو بھڑکایا اور جرأت کی حد تو اس وقت پار کردی، جب مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے اپنے سواروں کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے آں حضرت ﷺ کے مویشی لوٹ لے گیا۔

حضور ﷺ اب مکمل طور پر چوکنا ہوگئے اور صحابہ کی ٹکڑیاں بنا کر مدینہ کے قرب وجوار میں گشت لگوانی شروع کی؛ تاکہ ناگہانی حملہ سے بچا جاسکے، حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ساتھ 'بطنِ نخلہ' کی طرف یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ وہاں قیام کر کے قریش کے حالات سے آگہی

حاصل کی جائے، اتفاق یہ کہ شام سے تجارتی اموال لے کر آتے ہوئے قریش کے چند افراد کا گزر اِدھر ہی سے ہوا، حضرت عبداللہؓ نے اُن پر اس لئے حملہ کیا کہ مبادا یہ قریش کو ہماری اطلاع بہم پہنچا دیں، جس کے نتیجہ میں عمرو بن الحضرمی واصلِ جہنم ہوا، جب کہ دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا، جب اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا: ''میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی'' اور مالِ غنیمت میں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا، چوں کہ یہ ماہِ رجب کے آخری ایام تھے اور عربوں میں یکساں طور پر محترم سمجھے جاتے تھے، لڑائی جھگڑے سے بھی وہ لوگ اس ماہ میں پرہیز کرتے تھے؛ اس لئے صحابہ بھی برافروختہ ہوئے اور اُن سے کہا: **صنعتم مالم تؤمروا به، وقاتلتم فی الشهر الحرام، ولم تؤمروا بقتال** ''تم نے وہ کام کیا، جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، تم نے محترم مہینہ میں جنگ کی؛ حالاں کہ تمہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا'' (تاریخ الطبری: ۲ / ۱۶)۔

حضرمی کے قتل کی خبر مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پہنچی، جس کی وجہ سے پورے مکہ میں انتقام وقصاص کی آتشِ نمرود بھڑک اٹھی، اِدھر رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں قریش کا تجارتی قافلہ مال ومتاع سے لدا پھندا شام سے واپس آرہا ہے؛ چنانچہ حضور ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: **هٰذه عير قريش، فيها أموالهم، فاخرجوا إليها، لعل الله ينفلكموها**. (السيرة النبوية لابن هشام، غزوة بدرالكبرى: ۳ / ۳۵۱، عيون الأثر: ۱ / ۳۲۱) ''یہ قریش کا قافلہ ہے، جس میں ان کے اموال ہیں، چلو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں سے کچھ تمہیں دلا دے''، مسلمان اس قافلہ کی تلاش میں نکل پڑے، اُن کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ طاقت آزمائی کی نوبت آئے گی۔

حضور ﷺ نے مدینہ سے نکلتے وقت نماز پڑھانے کی ذمہ داری حضرت عبداللہ ابن ام

مکتومؓ کے سپرد کی، جب 'روحاء' کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابولبابہ بن منذرؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے واپس مدینہ بھیجا، جب کہ عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو متعین فرمایا، اِن اہم ذمہ داریوں کی تعیین کے بعد آپ ﷺ آگے بڑھے، جب مقام 'صُفراء' پہنچے تو دو راز جوؤں بسبس بن عمرو جہنی اور عدی بن ابی الرغباء کو قافلہ کی راز جوئی کے لئے بھیجا، یہ لوگ بدر کے کنویں پر پہنچے، جہاں دو عورتیں اپنے لین دین کی بات کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ کل پرسوں تک یہاں قافلہ پہنچ جائے گا، جس میں محنت مزدوری کر کے ہم قرضہ چکتا کر دیں گے، جب دونوں راز جوؤں نے عورتوں کی یہ باتیں سنیں تو اپنے جانوروں کو پانی پلا کر بعجلت واپس ہوئے اور حضور ﷺ کے سامنے پوری بات کہہ سنائی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد ابوسفیان بھی مخبری کرتے ہوئے یہاں پہنچا، جب کنویں کے قریب مینگنیاں دیکھیں تو اسے اٹھا کر توڑا، جس میں کھجور کی کٹھلی نظر آئی، کھجور کی کٹھلی دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ مدینہ کے مسلمان اس کی تاک میں ہیں، فوراً پلٹا اور قافلہ کے رخ کو ساحل کی جانب کر دیا، پھر ضمضم بن عمرو غفاری کو ہرکارہ بنا کر مکہ بھیجا کہ تمہارا قافلہ معرضِ خطر میں ہے، لہٰذا قافلہ کی حفاظت کے لئے دوڑو۔

ابھی اہلِ مکہ کے سینے حضرمی کے قتل پر فگار ہی تھے کہ ابوسفیان کا یہ پیغام ملا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پورا مکہ ثار و انتقام کی آگ میں جل اٹھا؛ چنانچہ زرہ پوش وہتھیار بند اور گھڑ سواروں پر مشتمل ہزار افراد کی جمعیت بڑے طمطراق کے ساتھ اسلام اور اہلِ اسلام کی بیخ کنی کے لئے نکل پڑی، قریش کے تمام سربرآوردہ لوگ بھی اس میں شامل تھے، جب یہ لوگ مقام 'جحفہ' تک پہنچے تو ابوسفیان کا دوسرا خط ملا کہ: انکم انما خرجتم لتمنعوا عیر کم ورجالکم، وقد نجاھا اللہ، فارجعوا۔ ''تم جس ارادہ سے نکلے تھے، وہ پورا ہوگیا، قافلہ صحیح سالم نکل چکا ہے؛ اس

لئے تم لوگ بھی واپس آ جاؤ''، تمام لوگوں نے واپسی کا ارادہ بھی کیا؛ لیکن ابو جہل نے قسم کھائی کہ ہم اسی شان سے بدر تک جائیں گے اور اونٹوں کو ذبح کر کے خود بھی کھائیں گے اور دوسروں کو بھی کھلائیں گے؛ تا کہ سارے عرب پر ہمارا دغدغہ بیٹھ جائے، لہٰذا عدی وزہرہ اور قریش کے کچھ لوگوں کے علاوہ تمام لوگ بدر کے ایک کنارے خیمہ زن ہوئے (عیون الأثر: ۱ / ۱۳۳)۔

آپ ﷺ کو بھی یہ خبر مل چکی تھی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے لاؤلشکر کے ساتھ نکل پڑے ہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے مستعدی ظاہر کی؛ لیکن آپ ﷺ کا روئے خطاب انصار کی طرف تھا؛ چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: **واللہ لکأنک ترید نایارسول الله!قال: أجل، قال: فقد آمنابک وصدقناک وشهدنا أن ماجئت به هوالحق وأعطيناک علی ذلک عهودنا ومواثيقناعلى السمع والطاعة، فامض يارسول الله! لما أردت، فنحن معک، فوالذی بعثک بالحق لو استعرضت بناهٰذا البحر فخضته لخضناه معک، مايتخلف منارجل واحد ومانكره أن تلقى بناعدونا غداً ، إنالصبرفی الحرب صدق عنداللقاء، لعل الله يريک مناماتقربه عينيک، فسربناعلى بركة الله.** (الاکتفاء بماتضمنه من مغازی رسول الله، غزوة بدرالكبرىٰ: ۲ / ۱٤) ''بخدا آپ ﷺ کا روئے خطاب ہماری طرف ہے اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، حضرت سعدؓ نے کہا: بلاشبہ ہم آپ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی، ہم نے گواہی دی کہ آپ کی لائی ہوئی چیز برحق ہے، ہم نے اس سلسلہ میں سمع وطاعت پر عہد و پیمان بھی باندھا ہے، لہٰذا آپ جو چاہیں کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم سے اس سمندر میں داخل ہونے کا مطالبہ کریں تو ہم آپ کے ساتھ داخل ہونے کے لئے تیار ہیں، ہم میں سے

ایک بھی فرد کو آپ پیچھے نہیں پائیں گے، میدانِ کارزار میں ہمیں ثابت قدم اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت باعزم پائیں گے، شاید اللہ تعالیٰ ہمارے کارناموں سے آپ کی آنکھوں کو بھی راحت پہنچادے، لہٰذا آپ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھئے"۔

حضرت مقداد بن اسودؓ نے کہا: **لانقول کماقال قوم موسی: اذهب أنت وربک فقاتلا؛ ولکنانقاتل عن یمینک وعن شمالک وبین یدیک وخلفک.** (صحیح بخاری، باب قول الله تعالیٰ: اذتستغیثون ربکم فاستجاب لکم......، حدیث نمبر: ۳۹۵۲) "ہم آپ کو اس طرح جواب نہیں دیں گے، جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دیا تھا کہ 'آپ اپنے رب کے ساتھ جاکر جنگ کریں'؛ بل کہ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے جاں نثار ہونے کو تیار ہیں"، انصار کی طرف سے یہ جواب سن اور آمادگی کو دیکھ کر آپ ﷺ کا روئے مبارک چمک اُٹھا، پھر فرمایا: **سیروا وأبشروا، فإن الله تعالیٰ قد وعدنی إحدی الطائفتین، والله لکأنی الآن انظر إلی مصارع القوم.** (الروض الأنف، الرسول یستشیر: ۳ / ۵۷) "آگے بڑھو اور خوش خبری قبول کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں میں سے ایک جماعت (پر فتح یابی) کا مجھ سے وعدہ کیا ہے، بخدا گویا کہ میں قومِ (قریش) کی پٹخنیاں کھانے کی جگہ دیکھ رہا ہوں"۔

اب آپ ﷺ اپنی مختصر جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور کچھ دور جانے کے بعد لشکر کا معائنہ فرما کر چھوٹے بچوں کو واپس کرنے کا حکم دیا، چھوٹے عمیر بن ابی وقاص اس حکم کو سن کر رو پڑے، آخر کار آں حضرت ﷺ نے شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی، چوں کہ کفار قریش پہلے ہی بدر پہنچ چکے تھے؛ اس لئے مسلمانوں کو بدر کے اِسی کنارے پر پڑاؤ ڈالنا پڑا، جہاں کی زمین اس قدر ریتیلی تھی کہ پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے، نیز پانی کا کنواں بھی اہلِ مکہ ہی کی طرف تھا، ایسے میں حضرت حباب بن منذرؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یہاں پر قیام وحی کے ذریعہ سے ہے یا

فوجی تدبیر؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: وحی کے ذریعہ سے نہیں ہے، حضرت حبابؓ نے کہا: تو پھر آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اور آس پاس کے کنویں بیکار کردئے جائیں، حضرت حبابؓ کی یہ رائے دربارِ نبوت میں پسند کی گئی، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے کرم کا معاملہ کرتے ہوئے بارانِ رحمت بھی برسا دیا، جس سے مسلمانوں کو دو فائدے حاصل ہوئے، ریتیلی زمین بیٹھ گئی اور چلنا پھرنا آسان ہوگیا، نیز وضو وغسل کے لئے پانی کا ذخیرہ کرلیا گیا، یہ پانی تو دراصل مسلمانوں کے ذاتی استعمال کے لئے تھا؛ لیکن رحمۃ للعالمین نے انسانیت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے مشرکینِ مکہ کو بھی ذخیرہ شدہ پانی سے استفادہ کی اجازت مرحمت فرمادی۔

شام کے وقت حضرت علی، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو قریش کے حالات سے باخبری کے لئے روانہ فرمایا، یہ حضرات بدر کے چشمہ پر آئے، جہاں قریش کے دو غلام پانی بھر رہے تھے، دونوں کو گرفتار کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے ان دونوں سے لشکر کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: بہت ہیں، تعداد ہمیں نہیں معلوم، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں؟ جواب دیا: ایک دن نو اور ایک دن دس، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: لشکر کی تعداد نو سو سے ہزار کے درمیان ہے، پھر آپ ﷺ نے سوال کیا: لشکر کے ساتھ اشرافِ مکہ میں سے کون ہیں؟ جواب دیا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، نوفل بن خویلد اور حارث بن عامر وغیرہ، ان کے نام سن کر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: **هٰذه مكة! قد ألقت إليكم أفلاذ كبدها** ’’مکہ نے اپنے جگر پاروں کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے‘‘ (دلائل النبوة للبيهقی، حدیث نمبر: ۸۹۰)۔

آج کی رات صحابہ دل کھول کر سوئے، بس ایک ذات تھی، جس کی آنکھوں میں نہ نیند کا

غلبہ تھا اور نا ہی اونگھ کا حملہ، وہ بس تسبیح وتہلیل اور دعا وابتہال میں مشغول تھی، وہ ذات حضور اکرم ﷺ کی ذات تھی، جب صبح ہوگئی تو صحابہ کو نماز کے لئے بیدار کیا، نماز کے بعد مختصراً راہِ خدا میں جاں بازی اور سرفروشی کی ترغیب دی، حضرت سعد بن معاذؓ نے ایک چھپر بلند ٹیلہ پر بنانے کی پیش کش کی؛ تاکہ آں حضرت ﷺ وہاں سے میدانِ کارزار کا مشاہدہ کرسکیں، بعدازاں آپ ﷺ نے صحابہ کی صفوں کو مرتب اور درست فرمایا، صف آرائی کے وقت دستِ مبارک میں ایک تیر تھا، جس کے ذریعہ سے صف سے نکلے ہوئے سواد بن غزیہؓ کے پیٹ میں ہلکا سے کوچہ دے کر درست ہونے کو فرمایا، سوادؓ نے عرض کیا: أوجعتنی، والذی بعثک بالحق نبیا أقدنی ''آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، مجھے بدلہ دیجئے''، آپ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹالیا اور فرمایا: بدلہ لے لو، حضرت سواد چمٹ گئے اور آپ ﷺ کے پیٹ کا بوسہ لیا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا: اللہ کا حکم آچکا ہے اور مجھے اپنی شہادت کی امید ہے، میں نے سوچا کہ آخری مرتبہ آپ کے ساتھ معانقہ کرلوں'' (مغازی الواقدی، بدر القتال: ١ / ٥٧)۔

دوسری طرف سے کفارِ قریش بھی نخوت ونخرے میں ڈوبے ہوئے، اکڑفوں دکھاتے ہوئے اور پورے طور پر آلاتِ حرب وضرب میں لپٹے ہوئے نکلے، آپ ﷺ انھیں دیکھ کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کناں ہوئے: اللهم هٰذه قريش قدأقبلت بخيلائها وفخرها، تحادك وتكذب رسولك، اللهم فنصرك الذی وعدتنی، اللهم أحنهم الغداة ''یہ قریش کے لوگ غرور وتکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہوئے مقابلہ آرائی کے لئے نکلے ہیں، اے اللہ! اپنی نصرت نازل فرما، جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اور انھیں ہلاک کر'' (سیرۃ ابن ھشام، ارتحال قریش: ١ / ٦٢١)۔

جب دونوں طرف صف بندی ہوگئی تو قریش کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے نکلے، مسلمانوں کے لشکر سے حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم ان کی مقاومت کے لئے نکلے، عتبہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ جواب ملا: ہم انصار ہیں، عتبہ نے کہا: مابنا إلیکم حاجة ''ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں''، پھر آں حضرت ﷺ سے بلند آواز میں کہا: أخرج إلینا أکفائنا من قومنا ''اے محمد! ہماری قوم کے ہم سروں کو بھیجو''، آپ ﷺ نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، جب یہ حضرات اُن سے قریب ہوئے تو انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ جب انھوں نے اپنا نام بتایا تو اُن لوگوں نے کہا: نعم أکفاء کرام ''ہاں! اب یہ ہمارے صحیح جوڑ ہیں''؛ چنانچہ حضرت علیؓ ولید کے ساتھ مزاحم ہوئے اور اس کا قصہ پاک کیا، حضرت حمزہؓ شیبہ سے نبرد آزما ہوئے اور اس کا کام تمام کیا، جب کہ حضرت عبیدہؓ عتبہ کے ساتھ مقابلہ آرا ہوئے؛ لیکن خود زخمی ہوگئے، حضرت علیؓ نے لپک کر عتبہ کے لہو کا جوش ٹھنڈا کر دیا (السنن الکبری للبیهقی، باب المبارزة، حدیث نمبر: ۱۸۳۴٤)۔

اب عام حملہ شروع ہوگیا، تیروں کے مینھ برسنے لگے، تلواروں کی جھنکار سنائی دینے لگی اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ دِہا کے دینے لگی، فریقین اس طرح ایک دوسرے میں گھس گئے، جیسے تشبیک کے وقت ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل کی جاتی ہیں، مرنے لگے اور مارنے لگے، مقابلہ آنکڑے کا تھا، ایک طرف تین سو تیرہ کی تعداد، نہ سواری کے لئے گھوڑے، نہ لڑنے کے لئے مناسب ہتھیار؛ لیکن دین کی خاطر کفن دوش اور برسرِ پیکار، دوسری طرف ہزار کی جمعیت، سواری کے لئے گھوڑے، آلاتِ حرب وضرب سے لیس، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ ذکر واذکار، تسبیح وتہلیل اور دعا وابتہال کرتے ہوئے مکمل طور پر اپنے رب کے دربار میں پہنچ گئے، کبھی سائلانہ ہاتھ پھیلا پھیلا فتح وکامیابی کی دعا مانگتے، کبھی فقیرانہ دست دراز کر کر کے نصرت وشادکامی کی صدا لگاتے،

کبھی جبینِ مبارک سجدہ ریز، کبھی چشمہائے مسعود تلاطم خیز، محویت واستغراق کا یہ عالم کہ ردائے مبارک شانہ سے ڈھلک ڈھلک جاتی، آپ ﷺ کہتے جاتے: **اللھم أنجز لی ماوعدتنی، اللھم آت ماوعدتنی، اللھم إن تھلک ھٰذہ العصابة من أھل الإسلام، لاتعبدفی الأرض.** (مسلم، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر، حدیث نمبر: ۱۷۶۳) ''اے اللہ! جس چیز کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اسے پورا فرما، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو سکے گی''، پھر آں حضرت ﷺ نے ایک مٹھی سنگریزہ زمین سے اٹھا کر ''**شاھت الوجوہ**'' پڑھ کر اس پر دم کیا اور کافروں کی طرف پھینکا، جو تمام جنگجوانِ کفار کی آنکھوں میں پڑا، وہ آنکھ ملنے لگے، جب کہ مسلمان اُنھیں قتل کرنے لگے (صحيح ابن حبان، باب المعجزات، حدیث نمبر: ٦٥٢٠)۔

گھمسان کے اس رزم میں دو جوان معاذ بن عفراء اور معوذ بن عفراء ابوجہل کو تلاش کرتے پھر رہے تھے، جیسے ہی اس کی نشاندہی کی گئی، باز کی طرح جھپٹ کر اس پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں کے وار سے اس کی جہالت کی آخری سانس قفسِ عنصری سے نکال دی، دم خَم کے ساتھ نکلے ہوئے تقریباً سارے صنادیدِ عرب ایک ایک کر کے مارے گئے اور کبر وغرور کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر نکلا ہوا لشکر شکست وریخت سے بری طرح دوچار ہوا، تقریباً ستر افراد مشرکینِ مکہ کے قتل ہوئے اور اتنے ہی کو پابہ جولاں مدینہ لایا گیا، جب کہ مسلمانوں میں سے بائیس شہید ہوئے۔

رن پڑنے سے پیشتر آں حضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ بنو ہاشم اور دیگر قبائل کے کچھ لوگ بادلِ نخواستہ اِس جنگ میں شریک ہوئے ہیں، لہٰذا اُنھیں قتل نہ کیا جائے، ابوالبختری بن ہشام اور عباس بن عبد المطلب کو قتل نہ کیا جائے (الروض الأنف، غزوة بدر: ۳ / ۳۷)، بنو ہاشم نہ صرف یہ کہ طوعاً وکرہاً جنگ میں آئے تھے؛ بل کہ شعب ابی طالب میں بھی آپ ﷺ کے لئے تکلیفیں

برداشت کی تھیں، ابوالبختری نے کئی مرتبہ شعب ابی طالب میں کھانا پہنچایا تھا، نیز مقاطعہ کے ختم کرنے میں بھی اس کا اہم رول تھا، جب کہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ایک قول کے مطابق مسلمان ہو چکے تھے؛ لیکن آں حضرت ﷺ کے حکم سے مکہ ہی میں مقیم رہے؛ تا کہ ان کی خبریں پہنچا سکیں۔

جب باقی ماندہ کفار کو قید کر لیا گیا تو آپ ﷺ نے انسانیت کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مقتولین کو کنویں میں ڈلوا دیا اور اوپر سے مٹی پاٹ دی گئی، پھر بدر ہی میں تین دن تک قیام فرمایا (جیسا کہ آپ کی عادتِ شریفہ تھی)، تین دن کے بعد آں حضرت ﷺ نے زینیں کسنے کا حکم فرمایا، پھر قلیبِ بدر کے منڈیر پر کھڑے ہو کر مقتولین کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچ پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدے کو برحق پایا''، آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''تم لوگ اپنے نبی کے حق میں برے قبیلہ کے آدمی ثابت ہوئے، تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا، جب کہ دوسروں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے بے گھر کیا، جب کہ دوسروں نے پناہ دی، تم نے میرے ساتھ مقابلہ آرائی کی، جب کہ دوسروں نے میری مدد کی'' (سیرۃ ابن ھشام، طرح المشرکین فی القلیب: ۱ / ۶۳۸)، پھر آپ ﷺ نے مدینہ خوش خبری کا پیغام بھجوایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مقامِ صفراء میں نزول اجلال فرمایا اور مالِ غنیمت کو تقسیم فرمایا۔

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کے درمیان یہ حکم دیتے ہوئے تقسیم فرمایا: استوصوا بالأساری خیراً ''قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو''؛ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ماں شریک بھائی ابوعزیز کہتے ہیں: ''میں بدر کے قیدیوں میں انصار کے حصہ میں تھا، وہ لوگ آپ ﷺ کے اس حکم کی وجہ سے صبح وشام مجھے روٹی کھلاتے، جب کہ خود کھجور کھاتے تھے'' (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۷۷)، قیدیوں میں آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع اور

آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی تھے، رشتہ داری کا خیال نہ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا گیا، جو عام قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا۔

چند روز کے بعد اسیرانِ بدر کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: یہ ہمارے بھائی اور خاندان کے لوگ ہیں، میری رائے ہے کہ انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دیدے اور کل کفار کے مقابلہ میں یہ ہمارے مددگار بن جائیں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: میری رائے تو یہ ہے کہ اِن قیدیوں کو ہمارے حوالہ کیا جائے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے رشتہ دار کی گردن قلم کرے؛ کیوں کہ یہی لوگ کفر کے مقتدا اور پیشوا ہیں، آں حضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا (صحیح مسلم، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر ……، حدیث نمبر: ۱۷٦۳) اور صاحبِ استطاعت قیدیوں سے فدیہ لے کر اور غیر مستطیع کو بلا فدیہ آزاد فرمادیا؛ البتہ جو غیر مستطیع پڑھے لکھے تھے، انھیں حکم دیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو تعلیم دیں اور آزاد ہوجائیں (سيرة ابن هشام، ثمن الفداء: ۱ / ٦٥٩)۔

اِس غزوہ میں عہد و پیمان اور میثاق و وعدہ کا ایک عجیب نمونہ سامنے آیا، جس کی نظیر تاریخ کے خزاں دیدہ اوراق کے کسی ورق میں نہیں ملتی، دشمن کے اس جم غفیر کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کی کوئی حیثیت نہ تھی اور مسلمانوں کو اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ ان کے لشکر میں ایک آدمی ہی کا اضافہ ہوجائے، ایسے موقع پر حضرت حذیفہ اور حضرت ابوحسیل رضی اللہ عنہما کو کہیں سے آتے ہوئے کفار راہ میں روکتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کی مدد کو جارہے ہیں، یہ انکار کرتے ہیں اور عدم تعاون کا وعدہ کرتے ہیں، کفار انھیں جانے کی اجازت دیدیتے ہیں، یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوری بات بتاتے ہیں تو آپ ﷺ ان سے ہر حال میں وعدہ وفا کرنے کو کہتے ہیں اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت نہیں فرماتے (صحيح مسلم، باب الوفاء بالعهد، حدیث نمبر:

۱۷۸۷)۔

یہ تھی اسلام کی باقاعدہ پہلی جنگ کی جھلک، اب آیئے اس پہلی جنگ سے حاصل ہونے والے دروس واسباق پر بھی نظر ڈالتے چلیں:

چوکسی

مدینہ پہنچ کرآپ ﷺ اطمینان کی سانس لیتے ہوئے بیٹھ نہیں گئے؛ بل کہ مشرکینِ مکہ کے حرکات وسکنات کی برابر واقفیت حاصل کرتے رہے اور جب مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے اپنے سواروں کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کرکے آں حضرت ﷺ کے مویشی لوٹ لے گیا تو آپ ﷺ نے چوکسی میں اور اضافہ کردیا، بسا اوقات اس کے لئے مدینہ سے کافی دور دور تک گشتی ٹکڑیاں بھی بھیجتے تھے،آں حضرت ﷺ کے اس عمل سے ہمیں بھی چوکس رہنے کی تعلیم ملتی ہے۔

آج جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو اپنے کو اس سے بہت دور پاتے ہیں، باوجود یہ کہ ہمارے سیکڑوں گھر نذر آتش، معصوم بچوں کو قتل، عزت مآب ماؤوں اور بہنوں کی چادر عصمت تارتار اور بھائیوں کو ذبح وقتل کئی کئی مرحلوں میں کیا جاچکا ہے اور کیا جارہا ہے؛ لیکن پھر بھی ہم آج تک چوکس نہیں ہوسکے ہیں، غزوۂ بدر سے ہمیں ایک سبق چوکسی کی بھی ملتی ہے، کاش! ہم اس کو اپنا لیتے!!!

غلطی پر برہمی

آں حضرت ﷺ نے جن گشتی ٹکڑیوں کو بھیجا تھا، ان میں ایک حضرت عبداللہ بن جحشؓ بھی تھے، آپ ﷺ نے انھیں صرف خبر گیری کے لئے بھیجا تھا اور کسی بھی طرح کی لڑائی اور جھگڑے کی اجازت نہیں دی تھی؛ لیکن حضرت عبداللہؓ نے قریش کے ان چند آدمیوں پر اس لئے حملہ کیا کہ مبادا یہ قریش کو ہماری اطلاع بہم پہنچادیں، جو تجارتی اموال کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے،

جس کے نتیجہ میں عمرو بن الحضر می واصلِ جہنم ہوا، جب کہ دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا، جب اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا: ''میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی'' اور مالِ غنیمت میں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا، آں حضرت ﷺ کے اس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں اور غلطی کرنے والے کی پیٹھ نہ تھپ تھپائیں، بالخصوص جب حالات ایسے ہوں، جہاں معمولی معمولی حیلے بھی نزاع کا سبب بن سکتے ہوں۔

آج بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں، جہاں غلطی خود ہماری ہوتی ہے، جس کی بنا پر فساد اٹھ کھڑا ہوتا ہے؛ لیکن چوں کہ غلطی کرنے والا ہمارا آدمی ہوتا ہے؛ اس لئے سات خون معاف ہو جاتا ہے، یہ اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے؛ بل کہ ایسی صورت میں ہمیں اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے اور غلطی کرنے والے کی پشت پناہی کرنے کے بجائے اس سے اپنی ناراضگی اور برہمی کا اظہار بھی کرنا چاہیئے، نہ یہ کہ غلطی کرنے والے کی بیساکھی بن کر کھڑے ہو جائیں کہ وہ اس طرح کی مزید غلطیاں کرتا رہے اور قوم نقصانات اٹھاتی رہے۔

مشاورت

کسی بھی کام میں مشورہ کرنا چاہیئے، اس کے بڑے فائدے ہوتے ہیں، بالخصوص اجتماعی کام میں تو ضرور ہی کرنا چاہیئے، حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہی تھی، اس جنگ میں بھی آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا؛ حالاں کہ آپ ﷺ نبی تھے، جو حکم دیتے، صحابہ بجالانے کو تیار تھے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مشورہ کیا، اس سے مشورہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

آج کے دور میں ہم بہت سارے امور میں اپنے کو خود مختار اور مشورہ کرنے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں، بالخصوص جب ہمیں ذمہ دار تسلیم کیا جاتا ہے، ہم واقعۃً اپنے کو بڑے تصور کرنے لگتے ہیں اور دوسرے سے مشورہ کرنے کے بجائے حکم یا اطلاع دینے پر اکتفا کرتے ہیں، بسا اوقات

اس کے بڑے نقصان بھی سامنے آتے ہیں، مشورہ میں چوں کہ سراسر خیر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے **وشاورھم فی الأمر** کے ذریعہ حضور ﷺ اور مسلمانوں پر ایک طرح سے مشورہ کو لازم قرار دیا ہے؛ اس لئے خواہ ہم کتنے ہی عقل مند کیوں نہ ہوں، مشورہ ضرور کرنا چاہئے، غزوۂ بدر سے ایک سبق ہمیں یہ بھی ملتا ہے۔

بچوں کی اسلامی نہج پر تربیت

جب آں حضرت ﷺ نے لشکر کا معائنہ کرنے کے بعد چھوٹے بچوں کو لوٹنے کا حکم فرمایا تو چھوٹے عمیر بن ابی وقاص رو پڑے، ایسا نہیں ہے کہ چھوٹے عمیر کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ جماعت کہاں جارہی ہے؟ البتہ یہ اسلامی نہج پر تربیت کا نتیجہ تھا کہ کمسن بچہ بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جامِ شہادت نوش جان کرنے کے لئے تیار ہے اور یہ کوئی ایک واقعہ نہیں ہے؛ بل کہ ایسے کئی واقعات تاریخ کے صفحات میں نمایاں لکھے ہوئے ہیں، جہاں اسلامی نہج پر تربیت پانے کی وجہ سے بچے شہادت کے شوق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج جب ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو اپنے بچوں کو ایسے جذبوں سے بے نیاز پاتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی تربیت اسلامی نہج پر نہیں ہوتی، ان کی پوری تعلیم ایسے اداروں میں ہوتی ہے، جہاں اسلام کے نام سے انھیں برگشتہ کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے بچوں سے ہم چھوٹے عمیر کی طرح توقع کر ہی نہیں سکتے، غزوۂ بدر کے اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت اسلامی نہج پر کریں، ورنہ وہ دن دور نہیں، جب ہمارے بچے ذہنی وفکری اعتبار سے ہمارے ہی مقابلے پر کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی نہج پر اپنے بچوں کی تربیت کی توفیق دے، آمین !!!

چھوٹے کا مشورہ

جب آں حضرت ﷺ بدر میں ایسی جگہ پر خیمہ زن ہوئے، جو جنگی اعتبار سے مناسب نہ تھا، اس وقت حضرت حباب بن منذرؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یہاں پر قیام وحی کے ذریعہ سے ہے یا فوجی تدبیر؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: وحی کے ذریعہ سے نہیں ہے، حضرت حبابؓ نے کہا: تو پھر آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اورآس پاس کے کنویں بیکار کردئے جائیں، حضرت حبابؓ کی یہ رائے دربارِ نبوت میں پسند کی گئی، باوجودیہ کہ حضور ﷺ نبی تھے اور مسلمانوں کے قائد تھے؛ لیکن اپنے سے چھوٹے کے اچھے مشورہ کو قبول کیا، جس سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ چھوٹوں کے تمام مشورے ردی کے ٹوکرے میں ڈالنے کے لئے نہیں ہوتے؛ بل کہ بعض دفعہ وہی مناسب ہوتے ہیں۔

ہم اپنا جائزہ لیں کہ ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں، جو چھوٹوں کے مشورے کو کلیۃً غلط نہیں سمجھتے؟ بل کہ بعض تو یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ آج کا بچہ مجھے مشورہ دینے چلا ہے؛ حالاں کہ ایسا ممکن ہے کہ جو مشورہ آج کا بچہ دے رہا ہے، اسی کے مطابق عمل کرنے میں فائدہ ہو؛ اس لئے چھوٹوں کے مشورہ کو بالکل ہی بے کار نہ سمجھنا چاہئے۔

دشمنوں کے ساتھ رعایت

حضرت حبابؓ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے آں حضرت ﷺ نے چشمہ پر قبضہ کرلیا، اگر چاہتے تو کسی کافر کو، جو خود انہی کے ساتھ مقابلہ آرائی کے لئے بھی آیا ہوا ہو، ایک گھونٹ پانی نہ دیتے؛ لیکن قربان جائیے رسول اللہ ﷺ پر! کہ کافروں کو پانی لینے کی عام اجازت دیدی۔

کیا ہم بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ اپناتے ہیں؟ کیا ہم اپنے دشمن کے بارے میں ہروقت ایذا رسانی کے لئے نہیں سوچتے رہتے؟ کیا ہم ان کے درپئے آزار نہیں

رہتے ؟ حضور اکرم ﷺ کے عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی رعایت رکھیں اور بالخصوص زندگی سے متعلق ایسی عام چیزوں سے قطعاً نہ روکیں، جو ایک انسان کے لئے نہایت ضروری ہو۔

بدلہ کے لئے تیار

صف آرائی کے وقت دستِ مبارک میں ایک تیر تھا، جس کے ذریعہ سے صف سے نکلے ہوئے سواد بن غزیہؓ کے پیٹ میں ہلکا سے کوچہ دے کر درست ہونے کو فرمایا، سوادؓ نے عرض کیا: أوجعتنی، والذی بعثک بالحق نبیا أقدنی ''آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، مجھے بدلہ دیجئے''، آپ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹالیا اور فرمایا: بدلہ لے لو۔

آج ہم اپنا احتساب کریں کہ ہم میں سے کتنے ایسے ہیں، جو اپنے چھوٹوں کو بدلہ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں؟ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ چھوٹوں کو مارنا ہمارا حق ہے، پھر بدلہ کیسا؟ لیکن نبی کریم ﷺ نے اپنے اس عمل سے واضح کر دیا کہ چھوٹوں کو تکلیف پہنچانے پر اگر وہ بدلہ کا مطالبہ کریں تو انھیں بدلہ دے دینا چاہئے، کاش! ہم آپ ﷺ کے اس عمل کو اپنا سکتے!!!

محسنین کے ساتھ حسنِ سلوک

رن پڑنے سے پیشتر آں حضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ بنو ہاشم اور دیگر قبائل کے کچھ لوگ بادلِ نخواستہ اِس جنگ میں شریک ہوئے ہیں، لہٰذا اُنھیں قتل نہ کیا جائے، ابوالبختری بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب کو قتل نہ کیا جائے، بنو ہاشم نہ صرف یہ کہ طوعاً وکرہاً جنگ میں آئے تھے؛ بل کہ شعب ابی طالب میں بھی آپ ﷺ کے لئے تکلیفیں برداشت کی تھیں، ابوالبختری نے کئی مرتبہ

شعب ابی طالب میں کھانا پہنچایا تھا، نیز مقاطعہ کے ختم کرنے میں بھی اس کا اہم رول تھا، یہ سارے آپ ﷺ اور مسلمانوں کے محسنین تھے، لہٰذا آں حضرت ﷺ نے ان احسان کا اس طرح بدلہ چکایا۔

اب ہمیں سوچنا ہے کہ اپنے محسن کا کتنا خیال رکھتے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ہم اپنے محسن کی ٹانگ نہیں کھینچتے ؟ ہم میں سے تو بہت سارے ایسے بھی ہیں، جو اپنے محسن ہی کے دشمن بن جاتے ہیں، کاش! حضور ﷺ کے اس طرز کا ہم بھی کچھ پاس ولحاظ رکھ لیتے!!!

انسانیت کا احترام

جب جنگ ختم ہوگئی تو آپ ﷺ نے مقتولین کو کنویں میں ڈلوا دیا اور اوپر سے مٹی پاٹ دی گئی، یہ محض انسانیت کے احترام میں تھا — کیا آج کی جنگوں میں انسانیت کے اس احترام کو ملحوظ رکھا جاتا ہے؟ ہماری جنگوں میں تو قصداً نعشوں کو بے گور وکفن چٹیل میدان میں چھوڑ دیا جاتا ہے؛ تاکہ انسانیت کا جو تھوڑا احترام باقی رہ گیا ہے، اسے جانور مل کر ختم کردیں، چیر پھاڑ کرنے والے پرندے و درندے اسے گھسیٹتے پھریں، اس کے بغیر ہمارا کلیجہ ٹھنڈا بھی ہو تو نہیں ہوتا، کاش! حضور ﷺ کے اس عمل کو سامنے رکھ کر انسانیت کا احترام کرنا سیکھتے!!!

قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کے درمیان یہ حکم دیتے ہوئے تقسیم فرمایا: استوصوا بالأساری خیراً ''قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو''، جس کا نتیجہ تھا کہ صحابہ ان کی رسیوں کو ہلکی گرہ لگاتے؛ تاکہ تکلیف نہ ہو، نیز خود تو موٹا جھوٹا کھاتے؛ لیکن قیدیوں کو حسبِ استطاعت عمدہ کھلانے کی کوشش کرتے، ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے۔

اس کے برخلاف آج قیدیوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے، ان

پر کتے چھوڑے جاتے ہیں، بجلی کا شاٹ دیا جاتا ہے، ناخن کھینچ لیا جاتا ہے، پتھر کی سلوں پر مسلسل لٹایا جاتا ہے، تیز روشنی کر دی جاتی ہے؛ تاکہ قیدی پلک بھی نہ جھپکا سکے، مسلسل کھڑے رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، کھانے پینے کے لئے ترسایا جاتا ہے، سخت سردی کے موسم ٹھنڈے پانی میں کمر تک ڈوبے رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، بے لباس کر دیا جاتا ہے؛ حتی کے اخلاقی سطح سے مکمل طور پر نیچے کر ہم جنس پرستی پر مجبور کیا جاتا ہے، کاش! یہ لوگ آخری نبی ﷺ کے قیدیوں کے ساتھ سلوک کا مطالعہ کرتے اور ایک انسان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آں حضرت ﷺ اور صحابہ کے عملی نمونہ کو اپناتے، کاش......کاش......!!!

دین کے معاملہ میں رشتہ داری کی عدم رعایت

قیدیوں میں آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع اور آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی تھے، رشتہ داری کا خیال نہ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا گیا، جو عام قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا۔

کیا ہم ہر جگہ رشتہ داری کو ترجیح نہیں دیتے؟ اگر رشتہ دار کوئی گناہ کرے تو ہم اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا پھر دوسروں کے مقابلہ ہلکی سزا اس کے لئے تجویز کرتے ہیں، کیا ہم نے دین سے بھی زیادہ رشتہ داری کو اہمیت نہیں دے رکھی ہے؟ ایسا کرنے والے کاش! نبی کریم ﷺ کے عملی نمونہ کو سامنے رکھتے اور دین کے معاملہ میں اپنے اور غیر کے درمیان فرق کرنے سے بچتے!!!

عہد و وفا کا لحاظ

اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں نہایت ہی کم تھی اور ایک آدمی کا اضافہ بھی باعث تسکین ہوتا، ایسے موقع پر حضرت حذیفہ اور حضرت ابوحسیل رضی اللہ عنہما کو کہیں

سے آتے ہوئے کفار راہ میں روکتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کی مدد کو جارہے ہیں، یہ انکار کرتے ہیں اور عدم تعاون کا وعدہ کرتے ہیں، کفار انھیں جانے کی اجازت دیدیتے ہیں، یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوری بات بتاتے ہیں تو آپ ﷺ ان سے ہر حال میں وعدہ وفا کرنے کو کہتے ہیں اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت نہیں فرماتے۔

ہم اپنا تجزیہ کریں کہ کیا ہم بھی وعدہ کا اس قدر پاس رکھتے ہیں کہ سخت ضرورت کے وقت بھی اس سے نہ پھریں؟ ہمارا حال تو اس سے بہت برا ہے، وعدہ پر وعدہ کرتے ہیں؛ لیکن وعدہ خلافی بھی ہمارا شیوہ ہے، ہم تو معمولی معمولی باتوں پر وعدہ کو توڑ بیٹھتے ہیں، کاش! حضور ﷺ کے اس عمل سے ہم بھی وعدہ کو وفا کرنا سیکھتے!!!

ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت

یہ جنگ بے سروسامانی کی حالت میں لڑی گئی، اسلامی لشکر کی تعداد بھی نہایت کم تھی، مسلمانوں کا جوش وجذبہ اپنی جگہ؛ لیکن حضور ﷺ ظاہری اسباب سے ہٹ کر اپنے رب کے سامنے عاجزانہ گڑگڑاتے رہے اور فتح ونصرت کی دعا کرتے رہے۔

آج جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کے بجائے ظاہری اسباب پر زیادہ بھروسہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو پاتے ہیں، آں حضرت ﷺ کے اس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم بھی سارے معاملات میں اللہ تعالیٰ ہی سے رجوع ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین یارب العالمین!!!

یہ تھے غزوہ بدر سے حاصل ہونے والے کچھ کچھ موٹے موٹے اسباق ودروس، ورنہ گیرائی کے ساتھ اگر مطالعہ کیا جائے تو اور بھی بے شمار اسباق ہمیں مل سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں آں حضرت ﷺ کے عملی نمونے پر چلنے کی توفیق دے، آمین یارب العالمین.☆☆☆

معرکۂ احد ——— اسباق ودروس

سن دوہجری میں مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان بدر کے میدان میں جوخون آشام جنگ ہوئی، اس میں قلتِ تعداد کے باوجود مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا، جب کہ کثرتِ عدد کے باوجود کفارقریش کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا،قریش کے وہ صنادید بھی اس جنگ کی بھٹی میں راکھ بن گئے،جن کی وجہ سے رَن کانپتا تھا۔

میدانِ بدر کی شکست وریخت نے اہلِ مکہ کو پہلے سے زیادہ آتشِ غضب بنادیا؛ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے غیظ وغضب کو پرسکون کرنے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ایک ایسی جنگ کا فیصلہ کیا، جو اِن کی کمر توڑ دے،عکرمہ بن ابوجہل،صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب اورعبداللہ بن ربیعہ معرکہ آرائی کے اس معاملہ میں پیش پیش تھے،ان لوگوں نے قریش سے اُس تجارتی منافع کو جنگ میں استعمال کرنے کا مشورہ دیا، جوغزوۂ بدر کے موقع پرشام سے حاصل ہوا تھا، انھوں نے لوگوں سے کہا: **یامعشر قریش! إن محمداً قد وترکم، وقتل خیارکم، فأعینونا بھذا المال علی حربه، فلعلناندرک معه ثأرنا بمن أصاب منا.** (الروض الأنف ، غزوۃ أحد: ۳: ۲۴۰، السیرۃ النبویة لابن اسحاق، غزوۃ أحد: ۱/ ۱۱۳) ’’اے قریش کی جماعت! محمد نے تمہارے بہترین سورماؤں کوموت کے گھاٹ اتاردیاہے،لہٰذاتم اس کے خلاف جنگ کی تیاری میں اپنے اس مال کے ذریعہ امدادکرو، شاید ہم اپنے مرنے والے ساتھیوں کاانتقام لے کرکچھ تدارک کرسکیں‘‘۔

قریش نے ابوسفیان کے اِس مشورہ کو قبول کیا اور ہرایک نے اپنے تجارتی نفع کو جنگ کی تیاری کے لئے وقف کردیا، پھروہ سب ایک ایسی جنگ کی تیاری میں مصروف ہوگئے، جو مسلمانوں کے لئے حقیقی انتقام بن سکے، سال پورا ہوتے ہوتے قریش کی تیاریاں مکمل ہوگئیں اور قریشیوں کے علاوہ ان کے حلیفوں اوراحابیش (یعنی بنومصطلق اور بنوہون بن خزیمہ، جوقریش کے حلیف تھے) کوملاکر جنگجوؤں کی تعداد تین ہزار تک پہنچی، انھوں نے عورتوں کوبھی اپنے ساتھ رکھ لیا؛ تاکہ عزت وناموس کی حفاظت کا جذبہ رجوعِ قہقریٰ کا خیال تک نہ آنے دے (سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۶۲) ،حضرت عباسؓ قریش کی ساری نقل وحرکت کا بغور مطالعہ کرتے رہے اور جوں ہی قریشی لشکر مدینہ کے لئے حرکت میں آئی، انھوں نے ایک خط لکھ کر تیز رفتار قاصد کے ذریعہ آں حضرت ﷺ کواطلاع بھجوائی،اس خبر کے پہنچتے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ناگہانی حملہ سے بچنے کے لئے مدینہ کے راستوں پرطلایہ گردی شروع کردی، حضرت انس اور حضرت مونس دونوں بھائیوں کوقریشی لشکر کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا، ان لوگوں نے لشکر کو مقام ''عقیق'' میں موجود پایا، یہ لوگ لوٹ کرآئے اور آں حضرت ﷺ کواس کی خبر دی اور بتلایا کہ ان کے اونٹوں اورگھوڑوں نے ''عریض'' کے کھیتوں کا صفایا کردیا ہے، آپ ﷺ نے حضرت حباب بن منذرؓ کوقریشی لشکر کے بارے میں صحیح تحقیقِ حال کے لئے دوبارہ روانہ فرمایا، انھوں نے ان کی تعداد اور ساز وسامان کا بھی اندازہ لگا کر بتایا تو حضور ﷺ نے فرمایا: **لاتذکر من شأنهم حرفاً، حسبنا الله ونعم الوكيل، اللهم بک أجول وبک أصول** ''.(سبل الهدی والرشاد فی سیرۃ خیرالعباد، الباب الثالث عشر: فی غزوۃ أحد: ۴/ ۱۸۳) ''ان کے بارے میں کسی بات کا تذکرہ نہ کرو، اللہ ہمارے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے، اے اللہ! ہم تیرے نام سے جست لگاتے ہیں اور تیرے ہی نام سے حملہ کرتے ہیں''۔

پھر آپ ﷺ نے دفاعی حکمتِ عملی کے لئے صحابہ سے مشورہ فرماتے ہوئے اپنے خواب کا تذکرہ کیا: رأيت أني في درع حصينة، ورأيت بقراً تنحر، فأولت الدرع الحصينة المدينة، وأن البقر بقر، والله خير. (مسند احمد عن جابر بن عبدالله: ۱/ ۲۷۱) ''میں نے خواب میں ایک مضبوط زرہ اور کچھ ذبح کی ہوئی گایوں کو دیکھا، میں نے مضبوط زرہ کی تاویل ''مدینہ'' سے کی اور گایوں سے وہی مراد لئے (بعض روایتوں میں ہے کہ اس کی تاویل ''مصیبت'' سے فرمائی، دیکھئے (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/ ۳۹٤)، باقی اللہ خیر''، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: '' اگر تم چاہو تو مدینہ میں ہی اقامت کرو اور ان کو ان کے خیموں میں چھوڑ دو، اگر وہ وہیں رہے تو وہ بری اقامت گاہ ہوگی ؛ لیکن اگر انھوں نے مدینہ کا رخ کیا تو ہم ان سے جنگ کریں گے'' (السیرۃ النبویۃ، غزوۃ أحد: ۱/ ۱۱۳)؛ تاہم مشورہ میں آخری فیصلہ یہ طے ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں معرکہ آرائی کی جائے، یہ رائے بالخصوص ان لوگوں کی تھی، جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے؛ چنانچہ ان لوگوں نے آں حضرت ﷺ کو مخاطب کرکے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اخرج بنا إلى أعدائنا، لايرون أناجبنا عنهم أو ضعفنا. (السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، غزوۃ أحد: ۱/ ۱۱۳) ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں لے کر دشمنوں کے مقابلہ میں نکلئے، دشمن کہیں یہ نہ سوچیں کہ ہم بزدل یا کمزور ہیں''۔

اکثریت کی رائے کا اعتبار کرتے ہوئے آپ ﷺ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ''شیخان'' نامی مقام پر پہنچ کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور جو کم سن تھے، انھیں واپس فرمادیا، شام ہونے کی وجہ سے یہیں پر آپ ﷺ نے شب باشی فرمائی؛ البتہ پچاس صحابہ کو منتخب فرماکر نگرانی پر مامور فرمایا، صبح صادق سے پہلے ہی یہاں سے کوچ فرمایا اور ''شوط'' نامی مقام پر نمازِ فجر ادا فرمائی، یہیں عبداللہ بن اُبی کی منافقت کھل کر ظاہر ہوئی اور اس نے یہ کہہ کر کہ ''محمد (ﷺ) نے میری

رائے پر عمل نہیں کیا' اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر علاحدہ ہوگیا، شاید اس کی غرض یہ تھی کہ عین موقع پر مسلمانوں کے اندر کھلبلی مچ جائے اور مشرکین کو فائدہ حاصل ہوجائے، اب حضور ﷺ باقی ماندہ سات سو لوگوں کے ساتھ اُحد کی گھاٹی میں پہنچے اور وہیں لشکر کا کیمپ لگوایا (الرحيق المختوم، غزوة أحد، ص: ٢١٦)، پھر لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور سب سے پہلے پچاس ماہر تیر اندازوں کو منتخب کر کے وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی (جسے 'جبلِ رُماۃ' کہا جاتا ہے) پر متعین فرمایا؛ تاکہ دشمن کا لشکر ادھر سے حملہ آور نہ ہوسکے اور انھیں حکم دیتے ہوئے فرمایا: **احموا الناظهورنا، فإنانخاف أن نؤتى من ورائنا، والزموا مكانكم، لاتبرحوا منه، وإن رأيتمونا نهزم؛حتى ندخل عسكرهم، فلاتفارقوا مكانكم، وإن رأيتمونا نقتل، فلاتعينونا، ولاتدفعوا اعنا، اللهم إني اشهدک عليهم، وارشقوا خيلهم بالنبل، فإن الخيل لاتقدم على النبل.** (مغازي الواقدي، غزوة أحد: ١/٢٢٦) ''ہماری پشت کی حفاظت کرو؛ کیوں کہ ادھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ ہے، اور ہماری فتح مندی دیکھ لینے کے باوجود اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا، اسی طرح اگر دشمنوں کو ہمیں قتل کرتے ہوئے دیکھو تو بھی ہماری مدد کو نہ آنا، اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں، اور دشمن کے گھوڑوں کو تیر اندازی کے ذریعہ روکو کہ گھوڑے تیر سے آگے نہیں بڑھ سکتے''۔

پھر آپ ﷺ نے لشکر کی صف بندی کی اور راہِ خدا میں جاں بازی اور شہادت پر وعظ فرمایا، مشرکین نے بھی ترتیب قائم کی، پھر دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں اور مشرکین کی طرف سے طلحہ بن طلحہ عبدری (جسے مسلمان '**کبش الكتيبة**' (لشکر کا مینڈھا) کہا کرتے تھے) دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے نکلا، حضرت زبیرؓ تیزی سے لپکے اور مہلت دئے بغیر اس کے اونٹ پر جا چڑھے، پھر اسے لے کر کودے اور اس کو ذبح کر ڈالا، یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے فرطِ مسرت سے

نعرۂ تکبیر بلند کی، اب عام حملہ شروع ہو گیا، مسلمان کفن بردوش مشرکینِ مکہ کی صفیں اُلٹتے اور آگے بڑھتے جا رہے تھے، شیرِ خدا حضرت حمزہؓ حقیقتاً شیرِ نر بنے ہوئے تھے، بڑے سے بڑا بہادر بھی اُن کے سامنے ٹک نہیں پاتا تھا، انھوں نے جنگ بدر میں بھی کارہائے نمایاں انجام دی تھیں، جنگِ بدر میں انھوں نے جُبیر بن مطعم کے چچا طُعَیمہ بن عدی کو واصل جہنم کیا تھا، لہٰذا جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی بن حرب کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا اور کہا کہ اگر انھیں قتل کر دو تو تمھیں آزاد کر دیا جائے گا، وحشی ایک ماہر نیزہ باز تھا، جو اس جنگ میں صرف انھیں کو قتل کرنے کے لئے شریک ہوا تھا، وہ مسلسل اسی تاک میں رہا اور جب حضرت حمزہؓ مشرکینِ مکہ کی صفیں زیر وزبر کرتے ہوئے اس جگہ پر پہنچے، جہاں وحشی انھیں کے گھات میں تھا، وحشی نے نیزہ تول کر انھیں مارا، جو ناف کے نیچے پار ہو گیا، انھوں نے پلٹنے کی کوشش کی؛ لیکن گر پڑے اور زندۂ جاوید ہو گئے (الروض الأنف: ۳/۲۵۴، مغازی الواقدی، غزوة أحد: ۱/۲۲۶)، اس کے باوجود مسلمانوں کے جنگ کا پلڑا بھاری رہا؛ یہاں تک کہ مشرکین پسپا ہوتے ہوتے راہِ فرار اختیار کرنے لگے اور مسلمان تعاقب میں جٹ گئے، ایسے موقع پر 'جبلِ رُماۃ' کے تیراندازوں سے خوفناک غلطی ہوئی؛ چنانچہ ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہیں؛ اس لئے کچھ وہاں سے مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے اتر پڑے، حضرت خالد بن ولید گویا اسی تاک میں تھے، انھوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے باقی ماندہ تیراندازوں کو شہید کر ڈالا اور پشت سے مشرکینِ مکہ کے تعاقب میں مصروف مسلمانوں پر اس طرح حملہ کیا کہ جیتی ہوئی بازی ہار میں تبدیل ہونے کے قریب پہنچ گئی، شکست خوردہ مشرکین کی ہمت جٹ گئی اور وہ اپنی ساکھ کی بقا کی جنگ میں مصروف ہو گئے، مسلمان مکمل طور پر مشرکین کے نرغے میں آ گئے، خود مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، اتنے میں کسی کافر نے یہ خبر اڑا دی کہ محمد (ﷺ) قتل کر دئے گئے، اس خبر سے بہت سارے

مسلمانوں کے رہے سہے حوصلے بھی ٹوٹ گئے، بالآخر آپ ﷺ کی آواز پر مسلمان مجتمع ہوئے؛ لیکن تب تک آپ ﷺ کے گرد کئی جاں باز شہید اور خود آں حضرت ﷺ زخمی ہو چکے تھے، پھر آپ ﷺ مشرکینِ مکہ کے حصار کو ناکام بناتے ہوئے گھاٹی کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگے، جہاں کیمپ لگوایا تھا اور ہزار رکاوٹوں کے باوجود صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ خود بھی اپنے کیمپ میں پہنچے اور دیگر صحابہ کے لئے بھی راستہ ہموار کر دیا، نیچے کفارِ مکہ مسلمان شہداء کو مثلہ کرنے کے ساتھ ساتھ مکہ کے لئے واپسی کی تیاری کرنے لگے، قریش کی واپسی کے بعد مسلمان اپنے زخمیوں اور شہیدوں کی طرف متوجہ ہوئے، خود آں حضرت ﷺ بھی ان کے معائنہ کے لئے نکلے، شہداء کے بارے حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور پوستین اتار لئے جائیں اور غسل کے بغیر انھیں دفنا دیا جائے، حضرت حمزہؓ کی حالت دیکھ کر سخت غم گین ہوئے، پھر حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ دفن کرنے کا حکم فرمایا، وہ آپ ﷺ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی، شہداء کی تدفین کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کا رخ فرمایا اور ۷/شوال بروز شنبہ سن ۳ھ کو سرِ شام مدینے پہنچے، غزوۂ احد میں تقریباً ستر مسلمان شہید ہوئے، جن میں اکثریت انصار کی تھی، مہاجرین میں صرف چار صحابہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا (السیرۃ الحلبیة، غزوة أحد: ۴۹۹/۲)۔

یہ تھی معرکۂ احد پر ایک سرسری نظر! اب آیئے، اس معرکہ سے حاصل ہونے والے اسباق و دروس کو بھی دیکھتے چلیں:

ناگہانی حملہ سے بچاؤ کی تدبیر

حضور ﷺ کو جیسے ہی قریشی لشکر کی روانگی کی خبر پہنچی، آپ ﷺ نے ناگہانی حملہ سے بچنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے ذریعہ مدینہ کے راستوں پر طلایہ گردی شروع کرا دی؛ تاکہ جانی و مالی نقصان سے دوچار نہ ہونا پڑے، آں حضرت ﷺ کے اس عمل

سے ہمیں بھی یہ سبق ملتا ہے کہ اچانک آپڑنے والی مصیبت سے نمٹنے کے لئے تیاری رکھیں، بالخصوص ایسی جگہوں میں، جہاں اعداءِ اسلام کی طرف سے آئے دن کچھ نہ کچھ ہنگامہ آرائی جاری رہتی ہے۔

آج ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا ہم نے پیش آمدہ خطرات کی حصار بندی کرر کھی ہے؟ کیا ہمیں معلوم نہیں کہ 'خطرہ' ہمارے سروں پر چیل کے منڈلانے کی طرح منڈلا رہا ہے؟ نہ جانے کتنی مرتبہ جانی و مالی نقصانات سے ہمیں دوچار ہونا پڑا، پھر بھی کیوں کوئی تدبیر نہیں کرتے؟ مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، پتہ نہیں ہمیں کتنی مرتبہ ڈسا جا چکا ہے اور ہم صرف مارگزیدہ کی طرح سوائے تڑپنے کے کچھ نہیں کرتے؛ حالاں کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ محض تڑپنے سے زہر کا اثر ختم نہیں ہوتا، اس کے لئے ہمیں تریاق چاہئے، کاش! حضور اکرم ﷺ کے اس اسوہ پر ہم عمل پیرا ہوتے!!!

خبر کی مکمل تحقیق

جب کفارِ قریش کے کوچ کی خبر آپ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت انس، حضرت مونس اور حضرت حباب بن منذرؓ کو قریشی لشکر کے بارے میں صحیح تحقیقِ حال کے لئے روانہ فرمایا، ان حضرات نے آکر مکمل تحقیق پیش کی اور لشکر کی تعداد کی تخمینہ بھی بتایا، نبی کریم ﷺ کے اس فعل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ کسی بھی خبر کے بارے میں کوئی فیصلہ لینے سے پہلے پوری تحقیق ہونی چاہئے؛ تاکہ ہم اس خبر کے تعلق سے اپنے آپ کو تیار کرسکیں، نیز بعد میں کسی قسم کی پشیمانی نہ اٹھانی پڑے۔

غور کیجئے! کیا ہم بھی خبر کی پوری تحقیق کے بعد کوئی قدم اٹھاتے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ تحقیق سے پہلے ہی ہم خبر کو پھیلا دیتے ہیں؟ اس قسم کی سیکڑوں مثالیں شوشل میڈیا میں دیکھنے کو ملتی ہیں؛ حتی کہ بعض دفعہ بے بنیاد خبر کی وجہ سے کافی جانی و مالی نقصانات بھی ہوجاتے ہیں، ہمیں

چاہئے کہ آج کے دور میں خصوصاً خبر کی پہلے تصدیق کریں، پھر اس کے مقابلہ میں تیاری کر کے سامنا کریں، اللہ ہمیں توفیق دے، آمین!

اللہ پر اعتماد

آں حضرت ﷺ کو جب ان کے لشکر کی تعداد کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے بارے میں کسی بات کا تذکرہ نہ کرو، اللہ ہمارے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے''، آپ ﷺ کے ان جملوں میں اللہ تعالیٰ پر کلی اعتماد کی مکمل جھلک موجود ہے، ورنہ مشرکینِ مکہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور آلاتِ حرب وضرب بھی نہیں کے برابر تھے، اس کے باوجود خوف واندیشہ کی کوئی لہر آپ ﷺ کے روئے اطہر پر نہیں تھی، یہ صرف اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کی وجہ سے ہی تھا۔

آج ہم اپنا جائزہ لیں، کیا ہمارا اعتماد بھی اللہ پر کلی ہے؟ کیا ہمارے ہر عمل کے پیچھے سبب وتدبیر کی حیثیت درجۂ اول کی نہیں؟ اگر ہم بھی آج اسی اعتماد کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھتے، جس اعتماد کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ نے عملی میدان میں قدم رکھا تھا تو دشمن ہمارے سامنے کبھی بھی ٹک نہیں سکتے، کاش! ہم ایسا کر سکتے!!!

مشورہ پر عمل

آپ ﷺ کی رائے مدینہ میں رہ کر ہی مشرکین مکہ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کی تھی؛ لیکن مشورہ میں آخری فیصلہ یہ طے ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں معرکہ آرائی کی جائے؛ لیکن اکثریت کی رائے کا اعتبار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا حکم فرمایا اور اپنی رائے کو قبول کرنے پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا؛ حالاں کہ آپ ﷺ نبی تھے، لوگ بھی آپ ﷺ کی خاطر جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے، اگر چاہتے تو اپنی بات پر بآسانی

منوا سکتے تھے، حضور ﷺ کے اس عمل سے ہمیں درس ملتا ہے کہ مشورہ میں جو بات طے ہو جائے، اس پر عمل کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں کسی حیلہ وحجت سے نہ تو کام لینا چاہیے اور نا ہی اپنی ہی بات پر عمل درآمدگی کے سلسلہ میں اصرار کرنا چاہیے۔

غور کریں، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں (بالخصوص عہدوں پر فائز افراد)، جو مشورہ کرتے ہیں اور مشورہ پر اپنی بات کو ترجیح دینا پسند نہیں کرتے؟ بل کہ حقیقت یہ ہے کہ آج ''اطلاع'' کو مشورہ کا نام دیا جاتا ہے، وہ بھی اس لئے کہ اگر کسی مصیبت میں پھنس گئے تو اپنی سبکی نہ ہو، کاش! ایسے لوگ آں حضرت ﷺ کے عمل کو دیکھتے اور اس پر خود بھی عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے۔

غیر متزلزل اقدام

مشرکین مکہ کے ساتھ مقابلہ آرائی کے سلسلہ میں جو رائے آپ ﷺ کی تھی، وہی رائے رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بھی تھی؛ لیکن اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ فرمایا، یہ بات عبداللہ بن ابی کے ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' والے حربے کے بالکل خلاف تھی؛ چنانچہ عین اس وقت، جب کہ مسلمانوں کو نفری کی سخت ضرورت تھی، عبداللہ بن اُبی کی منافقت کھل کر ظاہر ہوئی اور اس نے یہ کہہ کر کہ ''محمد (ﷺ) نے میری رائے پر عمل نہیں کیا'' اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر علاحدہ ہو گیا، شاید اس کی غرض یہ تھی کہ عین موقع پر مسلمانوں کے اندر کھلبلی مچ جائے اور مشرکین کو فائدہ حاصل ہو جائے؛ لیکن آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پائے ثبات پر کسی قسم کی ڈگمگاہٹ تک نہیں آئی، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دینی کام کے دوران اگر کچھ ہمراہی علاحدگی اختیار کر لیں تو ان کی وجہ سے کام کے اندر کوئی حرج نہیں ہونا چاہیئے اور نا ہی امید منقطع کر کے اس کام سے دست کش ہونا چاہیے؛ بل کہ اللہ پر بھروسہ کر کے کام کو جاری رکھنا چاہیے۔

حکم عدولی کا خمیازہ

مسلمانوں کی فتح مندی تقریباً یقینی ہو چکی تھی اور مسلمان مشرکین مکہ کو کھدیڑنے میں لگے ہوئے تھے کہ 'جبل رُماۃ' کے تیراندازوں سے خوفناک غلطی ہوئی؛ چنانچہ ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہیں؛ اس لئے کچھ تیرانداز وہاں سے مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے اتر پڑے، یہ سراسر آں حضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تھی، جس کا خمیازہ بری طرح سے بھگتنا پڑا، (حضرت) خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) نے پیش قدمی کرتے ہوئے باقی ماندہ تیراندازوں کو شہید کر ڈالا اور پشت سے مشرکینِ مکہ کے تعاقب میں مصروف مسلمانوں پر اس طرح حملہ کیا کہ جیتی ہوئی بازی ہار میں تبدیل ہونے کے قریب پہنچ گئی، مسلمان مکمل طور پر مشرکین کے نرغے میں آگئے، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں، آں حضرت ﷺ کو بھی چوٹیں آئیں اور دندانِ مبارک شہید ہو گئے، کئی مسلمان بری طرح سے زخمی ہوئے اور کئی نے جامِ شہادت نوش جان کیا ——— جیتی ہوئی جنگ میں یہ کایا پلٹ صرف اس لئے ہوئی کہ بعض تیراندازوں نے اجتہادی غلطی کرتے ہوئے آں حضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی میں ناکامی، نامرادی اور تباہی ہے۔

آج معاشرہ پر نظر ڈالیں، کیا ہماری اکثریت نبی ﷺ کے حکموں پر عمل پیرا ہے؟ کیا ہماری اکثریت علی الاعلان خلاف ورزی کی مرتکب نہیں ہے؟ حکم نبی کی خلاف ورزی کی وجہ سے جیتی ہوئی بازی ہارنے کے قریب ہوگئی، جب کہ نبی سراپا موجود ہے، تو ہم پر کیوں نہیں بموں کی بارش ہوگی؟ ہم کیوں نہیں قتل وقتال کی بھٹی میں جھونک دئے جائیں گے؟ جب کہ ہمارا اکثر کام فرمانِ نبی کے خلاف ہی ہے، ہمیں بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا، کاش! اس واقعہ سے ہم کچھ عبرت

ونصیحت حاصل کرتے اور ارشاداتِ رسول پر عمل درآمدگی کو یقینی بناتے، کاش! ہم ایسا کر لیتے!!!

جاں نثاری

(حضرت) خالد بن ولید کی رہنمائی میں مسلمانوں کی پشت سے جو کاری وار کیا گیا، جس میں مسلمان ایک طرح حواس باختہ ہو گئے تھے؛ لیکن پھر سنبھلے اور جاں نثاری کے ایسے نقوش پیش کیئے، جن کا نمونہ ملنا مشکل ہے، بعضوں نے تو امیدِ شہادت میں کفارِ قریش کی صفوں کو چیر ڈالا اور کشتوں کے پشتے لگا دئے، جب کہ بعضوں نے آں حضرت ﷺ کی حفاظت کی خاطر اپنے آپ کو ہی ڈھال بنا دیا، یہ سب اسلامی حمیت کے نتیجہ ہی میں تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ان جاں نثاریوں سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ دین کی خاطر "سر کٹا سکتے ہیں؛ لیکن سر جھکا سکتے نہیں"۔

کیا ہمارے اندر بھی جاں نثاری کی یہ صفت پائی جاتی ہے؟ کیا ہمارے اندر بھی سر کٹا سکنے بھر اسلامی حمیت موجود ہے؟ کیا ہم میں سے ایسے نہیں ہیں، جو روپیوں کے بدلہ دینی غیرت اور اسلامی حمیت کو بیچ دیتے ہیں؟ کاش! غزوۂ احد کی جاں نثاریوں کو ہم یاد کرتے اور اپنے اندر بھی سرفروشی کی تمنا پیدا کر سکتے!!!

اظہارِ غم کا طریقہ

اس غزوہ میں مسلمانوں کی کئی قیمتی جانوں نے جام شہادت نوش کیا، خود آں حضرت ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ سعادتِ شہادت سے مشرف ہوئے، ایک خاتون ایسی بھی تھیں، جن کے تین مضبوط سہارے (شوہر، بیٹا اور بھائی) زندۂ جاوید ہو گئے؛ لیکن اظہارِ غم میں کہیں سے بھی جزع فزع کی آواز نہیں آئی، دکھ اور تکلیف ضرور ہوئی؛ لیکن صبر وشکیبائی کا دامن ہاتھوں سے جانے نہیں دیا گیا۔

آج معاشرہ کو دیکھیں، کیا ہمارے یہاں بھی صبر کی ایسی مثال نظر آتی ہے؟ کیا ہم

مصیبت کے وقت جزع فزع سے رکتے ہیں؟ ہم تو ادنی تکلیف کی گھڑی میں کیا ہنگامہ برپا کردیتے ہیں، کاش! غزوۂ احد کے اس ماتمی گھڑی سے ہم کچھ سبق لیتے!!!



خندق کا پیغام

سن پانچ ہجری کا واقعہ ہے، مخبر نے اطلاع دی ہے کہ کفارِ عرب کی ایک بڑی تعداد (دس ہزار) مدینہ پر یورش کرنے والی ہے، جس کے سامنے مسلمانوں کی معمولی جمعیت (تین ہزار) خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گی، چہرۂ نبوت پر فطرتِ انسانی کی فکر مندی ہویدا ہوئی، ہم نشینانِ دین کو مشورے کے لئے طلب کیا اور ﴿وشاورهم في الأمر﴾ کی کامل تفسیر بن گئے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے مستحکم ٹھہری اور مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کی مہم شروع ہوئی، دس دس ہم نشینوں کے ذمہ دس دس گز کی کھدائی سپرد ہوئی، جس میں خود آقا ﷺ کا بھی عملی حصہ تھا، جذبۂ ایمانی اور جوشِ مسلمانی کے ساتھ خندق کھدائی کے اس مہم میں ہر ہم نشین بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا اور تعب نا آشنائی کے اظہار کے لئے سب ہم آواز ہوکر یہ بھی گا رہے تھے:

نحن الذين بايعوا محمداً   على الجهاد مابقينا ابداً

(ہم وہ ہیں، جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھوں پر مرتے دم تک جہاد کرنے پر بیعت کی ہے)

خود آپ ﷺ بھی رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے اور حوصلہ افزائی کے لئے ہم نشینانِ اسلام کے رجز کے جواب میں فرما رہے تھے:

اللهم لاعيش إلا عيش الأخرة   فارحم الأنصار والمهاجرة

(اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، پروردگار! انصار ومہاجرین پر رحم فرما)

خندق کھدائی کے اس مہم کے دوران جاں نثارانِ اسلام کو صبر وشکیبائی کے سخت امتحان سے گزرنا پڑا، ایک جانب مدینہ کے جاڑے کی راتیں تھیں اور دوسری جانب تین تین دن کا فاقہ؛

لیکن ان سرد راتوں اور تین تین دنوں کی فاقہ کشی کی حیثیت سرفروشانِ اسلام کے ''جذبۂ ایمانی'' اور ''جوشِ مسلمانی'' کے سامنے سریرِ مرگ پر پڑی ہوئی بوڑھی مریضہ سے زیادہ نہ تھی؛ چنانچہ ساڑھے سات ہزار فٹ کی طویل خندق (جس کی گہرائی ساڑھے دس فٹ اور چوڑائی ساڑھے تیرہ فٹ تھی، دیکھئے: فصول من تاریخ المدینة المنورة، ص: ۲۰۷، بحوالہ "رسول رحمت")، (حضرت موسیٰؒ بن عقبہ کے قول کے مطابق) کی کھدائی کا کام بیس دنوں میں (اور علامہ سمہودیؒ کی رائے کے مطابق چھ دنوں میں، دیکھئے: شرح الزرقانی: ۱۱۰/۲) پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

کھدائی کے اس مہم کے دوران جاں نثارانِ اسلام اور آقائے نامدار ﷺ نے بھوک کی شدت کو دبائے رکھنے اور پیٹ کی آگ کو ٹھنڈی رکھنے کے لئے اپنے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لئے تھے؛ لیکن تا کجے؟ جب آتشِ بھوک کسی طرح سرد نہ ہوئی اور برداشت وتحمل کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو (بعض) صحابہ آپ ﷺ کی خدمت میں شکوہ کناں ہوئے اور پیٹ سے کپڑے ہٹا کر بندھے ہوئے پتھر دکھائے، آپ ﷺ نے ان کی حالت دیکھ کر ان کی تسلی کے لئے اپنے پیٹ سے کپڑا اہٹا کر دکھایا، آپ ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے (سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۲۳۷۱)، آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور نگاہیں احساسِ شرمندگی سے خم کہ ہمارے پیٹ پر تو صرف ایک پتھر ہے؛ لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ کے پیٹ پر دو دو پتھر ہیں، یقیناً آپ ﷺ کی فاقہ کشی کے سامنے ہماری فاقہ کشی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

خندق کی کھدائی کا کام فاقہ کشی کے ساتھ ساتھ جاری تھا کہ ایک روز حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! تھوڑا سا آٹا اور بکری کا ایک بچہ گھر پر ہے، آپ ایک دو لوگوں کے ساتھ تشریف لا کر تناول فرمالیں؛ لیکن آپ ﷺ نے خندق کھودنے والوں میں عام منادی کرادی کہ (حضرت) جابر کے یہاں دعوت ہے، اور (حضرت) جابرؓ سے

فرمایا: میں جب تک نہ آؤں، سالن چولہے سے نہ اتارا جائے اور نہ ہی آٹے کو ہاتھ لگایا جائے، حضرت جابر پریشان خاطر گھر لوٹے اور زوجۂ محترمہ سے ساری بات کہہ سنائی، زوجہ نے انھیں تسلی دی کہ جب آپ ﷺ نے دعوت کی منادی کرائی ہے تو آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ بس آپ ﷺ کے حکم پر عمل کیا جائے، آپ ﷺ اپنے تمام رفقاء کے ساتھ حضرت جابرؓ کے گھر تشریف لائے، روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت رکھ کر صحابہ کو دیتے جاتے، دینے کے بعد تنور اور چولہے کو کپڑے سے ڈھک دیتے، یہاں تک کہ معجزانہ طور پر تمام رفقائے خندق شکم سیر ہوگئے اور گوشت اور روٹی بچ رہا، تو آپ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ اور لوگوں کو ہدیہ بھی کرو کہ قحط سالی کا زمانہ ہے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ٤١٠١)

مسلمان خندق کھود کر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ کفارِ قریش دس ہزار لشکر جرار لے کر دامنِ اُحد میں خیمہ زن ہوئے، آپ ﷺ بھی مقابلہ آرائی کے لئے اپنے تین ہزار جاں نثاروں کے ساتھ نکل پڑے اور کوہِ سلع کے جوار میں پڑاؤ کیا، چوں کہ فریقین کے مابین خندق حائل تھی؛ اس لئے رُو در رُو لڑائی کی نوبت نہیں آئی؛ البتہ بعض جگہوں پر خندق کی کم عرضی کو دیکھتے ہوئے بعض شہسوارانِ کفار نے مدینے میں داخل ہونے کی کوشش کی؛ لیکن حیدرِ کرار کی ''ذوالفقار'' اور صحابہ کی شمشیرِ شعلہ بار نے رجوعِ قہقریٰ کی مہلت نہ دی، تاہم اسی طرح حملہ آور غنیم کا مدینہ کے گرد بیس پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا، پھر اللہ تعالیٰ کے نادیدہ لشکروں نے ایسی تباہی مچائی، جس کے سامنے قریش کا آہن پوش لشکر بھی ٹک نہ سکا اور اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح وکامرانی سے سرفراز فرمایا، اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **الآن نغزوهم، ولا يغزوننا، نحن نسير إليهم.** (بخاری، حدیث نمبر: ٤١١٠) ''اب ہم ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوسکیں گے، ہم ہی ان کے پاس جائیں گے'' ---- ہوا بھی یہی، یہ غزوہ مسلمانوں کے لئے دفاعی لڑائی کی

آخری جنگ ثابت ہوئی، اس کے بعد مسلمانوں نے اقدامی جنگ شروع کی۔

غزوۂ خندق کی اس اجمالی تصویر سے آپ ﷺ کے قائدانہ کردار کے کئی ایسے پہلو واضح ہوتے ہیں، جن سے ہمارے آج کے اکثر قائدین (خواہ سیاسی ہوں یا دینی) معرا ہیں، جس کے نتیجہ میں قومی، ملکی اور تعمیری ترقی بالکل جمود کا شکار ہو چکی ہے، ذیل کے مضمون میں انھیں پہلوؤں کو اس امید پر واضح کرنے کوشش کی گئی ہے کہ اگر ان پہلوؤں پر عمل کرنے کی ادنی سی بھی سعی کی گئی تو آج ملک وقوم کی ترقی دوسروں کے لئے وجہِ اعتنا بن جائے گی۔

رفقاء کے ساتھ مشورہ

جب کفار قریش کی استعداد وتیاری کی اطلاع آپ کو ﷺ ملی تو آپ ﷺ نے --- باوجود نبی ہونے کے --- اپنے رفقاء کو جمع فرما کر مشورہ طلب کیا، آپ ﷺ نبی تھے، اللہ تعالی چاہتے تو وحی کے ذریعہ سے آپ کو خندق کھودنے کا حکم دیدیتے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے بھی امت کی تعلیم کی خاطر اور مشورہ کی اہمیت کو لوگوں کے دلوں میں اجاگر کرنے کے لئے آپ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور جو رائے مستحکم ٹھہری، اسی پر عمل پیرا ہو گئے۔

ایک طرف نبی آخر الزماں ﷺ کا یہ عمل ہے اور دوسری طرف ہمارے قائدین (خصوصاً دینی اور عموماً سیاسی) کا یہ کردار کہ وہ مشورہ لینے کو اپنے لئے کسرِ شان سمجھتے ہیں، ان کے عہدے کی کرسی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے رفقاء سے کسی بھی معاملہ میں مشورہ لیں، اگر مشورہ کرتے بھی ہیں تو فارملیٹی (Formality) نباہنے کے لئے؛ تا کہ مستقبل میں ان پر کوئی یہ تہمت نہ لگا سکے کہ وہ من مانی کرتے ہیں؛ حالاں کہ وہ اپنے مشورہ میں من چاہی ہی کرتے ہیں؛ کیوں کہ وہ اپنے ذہن میں کسی چیز کا منصوبہ پہلے ہی بناتے ہیں، پھر اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور اس کی تائید وتوثیق کرانے کے لئے رفقاء کو مشورہ کے نام پر جمع کرتے ہیں، یہی وجہ

ہے کہ جب اس منصوبہ کے خلاف آواز بلند کی جاتی ہے تو ہزار ''تاویلِ لنگ'' کے ذریعہ سے اس آواز کو دبا دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ اسے مشورہ نہیں کہا جاسکتا؛ بل کہ مشورہ کے نام پر یہ محض توثیق اور تصدیق ہوتی ہے۔

آج ہمارے قائدین کو آپ ﷺ کے اس پہلو کو اپنانے کی بہت سخت ضرورت ہے؛ تاکہ ان کا بنایا ہوا منصوبہ مستحکم طریقہ پر تکمیل کو پہنچے، عدمِ مشاورت کے نتیجے میں ان کا منصوبہ (اِلا ماشاء اللہ) مخالف ہواؤں کے سامنے ریت کے تودوں کی مانند اُڑ کر فضاؤں میں منتشر ہو جاتا ہے، پھر وہ مزاح و مذاق کا موضوع بنے بغیر نہیں رہ پاتے۔

رفقاء کے کام میں عملی شرکت

مکہ سے ہجرت فرما کر جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے مسجد بنائی، تعمیرِ مسجد میں کام کرنے والے مزدور صحابہ کی صف میں خود آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکت بھی تھی، آج جب خندق کھدائی کی مہم شروع ہوئی تو پھر آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس مزدوری کرنے میں جُٹ گئے، آپ کا یہ عمل ہمارے ان قائدین کے لئے نمونہ ہے، جو قوم کے قائد بننے کے بعد رفقاء کے ساتھ کسی کام میں عملی شرکت کو باعثِ عار سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں ہتک محسوس کرتے ہیں، جب کہ ہمارے گزشتہ قائدین — حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم، حضرت عمر بن عبدالعزیز، نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی رحمہم اللہ وغیرہم --- کا کسی بھی کام میں دیگر لوگوں سے زیادہ حصہ ہوا کرتا تھا، اسی لئے ان کے کام میں برکت اور استحکام ہوا کرتا تھا، آج ہمارے قائدین اس طرح کے عملی نمونے قوم کے سامنے پیش کرنے سے کوتاہ ہیں، جس کے نتیجہ میں نہ تو ہمارے کاموں میں برکت ہوتی ہے اور نہ ہی اس کام میں استحکام ہوتا ہے۔

کام کرنے والوں کی نگرانی

خندق کھدائی کے دوران اپنے حصہ کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ مسلسل صحابہ کے کام کی نگرانی بھی فرمارہے تھے، اصلاح کے موقع پر اصلاح اور تنبیہ کے موقع پر تنبیہ کرتے جاتے تھے، جس کی وجہ سے کام نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام پارہا تھا--- آج ہمارے قائدین کوئی کام دوسرے کے سپرد کرنے کے بعد اس کی بابت دریافت کرنے میں بھی شرم محسوس کرتے ہیں، چہ جائے کہ بہ نفسِ نفیس اس کام کی نگرانی کریں، کام کسی کو سپرد کرنے کے بعد یوں اس سے سبک دوش ہوجاتے ہیں، گویا کہ اس کام کے سلسلہ میں انھیں کچھ بھی آشنائی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ کام میں کسی طرح کی پائیداری نہیں ہوتی اور غبن، خرد برد، مٹیریل کی کیفیت وکمیت میں دھاندھلی وغیرہ جیسے مسائل پیدا ہوتے ہیں، اگر ہمارے قائدین اپنے ماتحتوں کے ذمہ کام سپرد کردینے کے بعد اس کی نگرانی بھی کرتے رہتے تو یہ ساری خرابیاں نہ پائی جاتیں۔

کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی

خندق کھدائی کے دوران آپ ﷺ اپنے رفقاء کی مسلسل ہمت افزائی بھی فرماتے رہے اور ان کو یہ بتاتے رہے کہ ہماری دنیاوی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ہماری اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اس حوصلہ افزائی ہی کا نتیجہ تھا کہ سخت سردی اور شدید بھوک کے باوجود کام کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں ہوئی، اگر ہمت افزائی نہ کی جاتی تو ان کی ہمتیں پست ہوسکتی تھیں---- آج ہمارے قائدین کے اندر اس بات کی شدید کمی پائی جاتی ہے کہ وہ کام کرنے والے افراد کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے ان کی دل شکنی ہوتی ہے، پھر وہ سست روی کے شکار ہوجاتے ہیں؛ حالاں کہ قائدین کی زبانوں سے نکلنے والے دو بول کام کرنے والوں کے

جسم میں ایسی اسپرٹ پیدا کردیتے ہیں، جو انھیں شب وروز محنت کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے؛ لیکن ہمارے قائدین کو اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی، شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں ان کی محنت رنگ لائے گی اور پھر یہی ''مردِ مومن'' کی نگاہ کے تارے بن جائیں گے، پھر عجب نہیں کہ ان قائدین کی ''کرسیِ قیادت'' کو ٹھوکر مار کر زمین پر گرا دیا جائے۔

ناگفتہ بہ حالت میں قائد وقوم کے درمیان یکسانیت

خندق کھدائی کی یہ مہم اس وقت انجام دی جارہی تھی، جب کہ جاں نثارانِ اسلام کے پاس دولت وثروت کی فراخی نہیں آئی تھی؛ بل کہ ابھی تک وہ افلاس ومحتاجی کی زندگی گزار رہے تھے اور اس موقع پر یہ محتاجی تو انتہا کو پہنچی ہوئی تھی؛ چنانچہ تین تین دنوں سے فاقہ کشی چل رہی تھی اور یہ حالت صرف صحابہ پر نہ تھی؛ بل کہ آقا ﷺ نہ صرف ان کے دوش بہ دوش تھے؛ بل کہ ان کے مقابلہ میں ایک کی جگہ دو پتھر اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے تھے ------ آج ہمارے قائدین اس کے بالکل برخلاف ہیں، ان کے جسموں پر اس وقت قد سے نکلا ہوا لباس فاخرہ ہوتا ہے، جس وقت قوم کے جسم پر چیتھڑے جھولتے رہتے ہیں، یہ اس وقت فائیو اسٹار ہوٹلوں میں بیٹھ کر دادِ عیش دیتے رہتے ہیں، جس وقت قوم کے نہ جانے کتنے گھر نانِ شبینہ کے لئے ترستے رہتے ہیں، ہمارے قائدین کے گھروں میں مرغن غذاؤں کی اتنی قابیں تعفن کا شکار ہوجاتی ہیں، جن سے کئی غریب گھرانوں میں عید کی خوشیاں آسکتی ہیں، کاش! یہ قائدین غزوۂ خندق کے اس واقعہ سے کچھ سبق حاصل کرلیں۔

ذات کے مقابلہ میں قوم کو ترجیح

خندق کھدائی کے اس موقع پر، جب کہ تمام صحابہ بھوک وپیاس کی شدت برداشت کرتے ہوئے اپنے اپنے ''فرض مقرر'' میں منہمک تھے، حضرت جابرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر

یوں عرض گزار ہوئے: اللہ کے رسول! گھر پر تھوڑا کھانا ہے، آپ ایک دو اشخاص کو لے کر چلیں؛ لیکن آپ ﷺ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ میں جا کر گوشت وروٹی کی دعوت سے لطف اندوز ہوں اور صحابہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھے رہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے کھانے کی مقدار دریافت فرمائی اور دعوتِ طعام کا عام اعلان فرما دیا اور یہ اعلان عام اس وقت تھا، جب کہ خود میزبان کی طرف سے کم لوگوں کی دعوت دی جا رہی تھی، ایسے موقع پر یہ حیلہ بھی کیا جا سکتا تھا کہ دعوت صرف میری تھی؛ اس لئے تم لوگوں کو اطلاع دئے بغیر میں کھانے کے لئے چلا گیا؛ لیکن قربان جائیے ایسے قائد پر! جس نے ایسے وقت میں بھی ذات پر قوم کو ترجیح دی اور تنہا جانے کے بجائے تمام مہاجرین وانصار کو ساتھ لے کر میزبان کے گھر تشریف لے گئے۔

آج جب ہم اپنے قائدین کے رویہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں آپ کی اس حالت کی پرچھائیں تک ان میں نہیں ملتی، آج ہر قائد کا عمل ''شیخ، اپنی دیکھ'' پر ہے، قومی مفاد کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں ہوتی، ہر وقت، ہر لمحہ اور آن یہی فکر انھیں ستاتی رہتی ہے کہ ذات کو نفع پہنچانے والے امور کیا ہیں؟ جہاں بھی اور ذرا بھی ذاتی نفع کہیں نظر آتا ہے، فوراً اسے کرڈالتے ہیں، خواہ اس کے اُس ذاتی نفع کے نتیجہ میں پوری قوم کی دُرگت ہی کیوں نہ بن جائے؟ ذاتی نفع پیش نظر رہنے کی وجہ سے قومی ترقی جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔

یہ تو آپ ﷺ کے چند وہ پہلو ہیں، جو نمایاں طور پر ہمیں معلوم ہوتے ہیں، ورنہ سیرتِ نبوی میں غور اور دماغ سوزی کرنے والوں کے سامنے نہ جانے اور کیا کیا پہلو روشن ہو کر آئیں گے؟ اس مضمون میں جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اگر ہمارے قائدین ان کو اپنا لیں تو قومی، ملکی، ادارتی اور تعمیری ترقی کے لئے کوئی چیز مانع نہیں بن سکتی، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے، آمین!

☆☆☆

صلحِ حدیبیہ —— غور وفکر کے چند پہلو

مدینے آئے ہوئے چھ سال کا عرصہ بیت چکا تھا، کعبہ سے دوری اور مہجوری پر چھ دور گزر چکے تھے، وطنِ عزیز کو چھوڑے ہوئے ایک لمبی مدت ہو چکی تھی، شوق گھڑیاں گن رہا تھا، امنگیں لمحے شمار کر رہی تھیں، چاہت بڑھتی جارہی تھی، خواہش دو چند ہو رہی تھی، جذبات کی تلاطم خیزی قنوط کی بند پر ضربیں اور احساس کی شدت صبر کے حصار پر ٹھوکریں لگا رہی تھیں کہ ایک رات شہِ لولاک نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حلق کرائے ہوئے امن وسکون کے ساتھ مکہ داخل ہو رہے ہیں۔(دلائل النبوة للبیهقی، باب نزول سورة الفتح...... ٤/١٦٤ (حدیث نمبر: ١٥١٢)، السیرة الحلبیة، غزوة الحدیبیة:٢/٦٨٨)

زبانِ نبوت سے خوابِ رحمانی کا تذکرہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم خوش ہو گئے۔ مہاجرین اس لئے کہ اُس شہرستان کا دیدار نصیب ہوگا، جو اُن کی جائے پیدائش رہی ہے، جہاں کے کوچے اور گلیاں آج تک اُن کی نگاہوں کے سامنے ہیں، جہاں کے پہاڑ اور وادی آج تک ذہنوں پر چھائے ہوئے ہیں، جہاں کے پھولوں کی خوشبو سے ابھی تک دماغ میں تازگی ہے اور جہاں کا ادنیٰ تذکرہ بھی دلوں کے لئے باعثِ سرور ہے اور انصار اس لئے کہ نگاہوں کو اُس دیار کی رؤیت کی سعادت حاصل ہوگی، جو اُن کے نبی کا وطن رہا ہے، جہاں وہ کعبہ ہے، جسے روئے زمین پر پہلا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس کی طرف رخ کر کے آج تک نمازِ پنجگانہ کی ادائے گی کرتے رہے ہیں۔

سن چھ ہجری کی پہلی تاریخ کو حضور اکرم ﷺ نے اپنے چودہ سو قدسی صفات اصحاب رضی اللہ عنہم

کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ کے لئے رختِ سفر باندھا۔ مقامِ ذوالحلیفہ میں ساتھ میں لائے ہوئے ہدی کے جانوروں کو قلادہ پہنا کر اُن کا اِشعار (کوہان کو زخمی کر کے خون نکالنا؛ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حرم لے جائے رہے ہیں) کیا اور لبادۂ احرام پہنا۔ بسر بن سفیان کو قریش کے حالات سے آگاہی کے لئے پہلے روانہ فرمایا۔ کاروانِ نبوت جب مقامِ عسفان میں پہنچا تو اُنھوں نے یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ قریش نے آپ کی آمد سن کر ایک لشکرِ جرار تیار کر رکھا ہے اور دخولِ مکہ سے آپ کو باز رکھنے کے لئے آپس میں عہد و پیمان باندھ لیا ہے۔ یہ خبر بھی گوش گزار کی کہ خالد بن الولید (جو ابھی تک اسلام کی سعادت سے محروم تھے) ہراول دستے کے طور پر دوسوشہ سواروں کے ہمراہ ''غمیم'' تک پہنچ چکے ہیں۔ اِس خبر کے سنتے ہی آپ ﷺ نے اپنا راستہ بدل لیا کہ مقصود لڑائی نہیں؛ بل کہ سعادتِ عمرہ سے سرفراز ہونا تھا۔(جوامع السیرۃ لإبن حزم، غزوۃ الحدیبیۃ: ۲۰۷/۱)

حدیبیہ کی سرزمین کے لئے یہ بخت بیداری کی گھڑی تھی اور قیامت تک تاریخ کے اوراق میں نسبتِ رسول کے ساتھ اُسے محفوظ رہنا تھا؛ اس لئے آپ ﷺ کی سواری کے بڑھتے قدم وادی ہی میں رُک گئے۔ لوگوں نے ''**خلأت القصویٰ، خلأت القصویٰ**'' (اونٹنی بیٹھ گئی، اونٹنی بیٹھ گئی) کی آواز لگانی شروع کی، آپ ﷺ نے فرمایا: **ماخلأت القصویٰ، وماذاک لھابخلق، ولکن حبسھا حابس الفیل** ''اونٹنی نہیں بیٹھی اور نا ہی اِس کی یہ عادت ہے؛ بل کہ اِسے اُس ذات نے روک لیا ہے، جس نے ہاتھی کو روکا تھا''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: **والذی نفسی بیدہ! لایسألونّی خطّۃ یعظمون فیھاحرمات اللہ، إلاأعطیتھم إیاھا** ''اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر وہ لوگ میرے سامنے کوئی ایسی تجویز رکھیں گے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم ہوتی ہو تو میں اُسے قبول کروں گا''۔ پھر اُونٹنی کو کوچا دیا تو وہ چل پڑی۔ اب آپ ﷺ مقامِ حدیبیہ کے ایک سِرے پر خیمہ زن ہوئے، جہاں کم مقدار پانی والے کنوئیں میں آپ

ﷺ کے ایک تیر ڈالنے کی وجہ سے پانی کے جوش مارنے کا معجزہ ظاہر ہوا۔(بخاری، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۱)

یہاں سے آپ ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو نامہ بر بنا کر قریش کے پاس اِس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ''ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، جنگ کے لئے نہیں''؛ لیکن قریش نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور اُن کے قتل کے بھی درپے ہو گئے۔ حضرت خراش اپنی جان بچا کر واپس آئے اور سارا ماجرا آپ ﷺ کے روبرو سنایا(الروض الأنف، غزوۃ الحدیبیۃ: ۴/۴۵)، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بر بنا کر بھیجنا چاہا؛ لیکن اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت چاہی کہ ''قریش مجھ سے بہت زیادہ برہم اور میرے سخت دشمن ہیں۔ مزید یہ کہ میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں، جو مجھے بچا سکے؛ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجنا زیادہ مناسب ہے کہ وہاں اُن کے اعزہ موجود ہیں (جو ناگفتہ بہ حالت میں اُن کی حفاظت کریں گے)، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے معقول سمجھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور رؤسائے مکہ کے پاس اپنا قاصد بنا کر بھیجا، جب کہ وہاں پر موجود مسلمانوں کو یہ بشارت بھی بھجوائی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا اور اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ آئے اور قریشِ مکہ کو آپ ﷺ کا پیغام اور وہاں موجود مسلمانوں کو خوش خبری سنائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبانی آپ ﷺ کا پیغام سن کر اہالیانِ مکہ نے جواب دیا کہ ''اس سال تو محمد مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، ہاں اگر تم تنہا طوافِ زیارت کی سعادت حاصل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''میں تنہا کبھی اِس سعادت کو حاصل نہ کروں گا''۔ قریش یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے؛ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہیں روک لیا۔ اِدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل

کر دئے گئے، جب قتل کی یہ خبر آپ ﷺ کی کانوں تک پہنچی تو آپ ﷺ کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک میں عثمان کا بدلہ نہ لے لوں، یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر وہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی، جو تاریخ وسیر کی کتابوں میں ''**بيعة الرضوان**'' کے نام سے مشہور ہے؛ لیکن بعد میں اِس خبر کے غلط ہونے کی بات معلوم ہوئی (السيرة النبوية لإبن هشام، غزوة الحديبية: ۲/۳۱۵)۔ قریش کو اِس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوئے اور نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔

مقامِ حدیبیہ میں قیام پذیری کے دوران مسلمانوں کے پرانے حلیف بنوخزاعہ (جو پہلے بھی آپ ﷺ تک قریش کی خبریں پہنچایا کرتے تھے) کے سردار بُدیل بن ورقاء آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: قریش کی ایک بھاری جمعیت مستعد کھڑی ہے، وہ آپ ﷺ کو کعبہ میں جانے نہ دیں گے۔ آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: اُنھیں جا کر کہہ دو کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار زار کر دی ہے؛ اس لئے بہتر ہے کہ ہم سے ایک مدت تک کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ کرلیں اور مجھے عربوں کے ہاتھوں چھوڑ دیں۔ اگر وہ اِس پر راضی نہیں تو خدا کی قسم! میں اُس وقت تک لڑتا رہوں گا، جب تک میرا سر تن سے جدا نہ کر دیا جائے۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب المهادنة............، حدیث نمبر: ۱۹۲۸۰)

بدیل نے قریش کے پاس آ کر کہا کہ میں محمد کے پاس سے کچھ پیغام لے کر آیا ہوں، اشرار نے سننے سے انکار کیا؛ لیکن سنجیدہ قسم کے افراد نے پیغام سنانے کی اجازت دی۔ اُنھوں نے آپ ﷺ کا پیغام سنایا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اہل مجلس سے کہا: کیوں قریش! کیا میں تمہارے لئے باپ کے مقام اور تم میرے لئے بیٹوں کے درجہ میں نہیں؟ سبھوں نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔

پھر اُس نے کہا: میری نسبت تمہیں کوئی بدگمانی تو نہیں؟ جواب ملا: نہیں! اس نے کہا: پھر تو مجھے خود محمد کے پاس جا کر معاملہ طے کرنے کی اجازت دو، اس نے معقول تجویز رکھی ہے۔

عروہ بن مسعود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن سے بھی وہی باتیں کہیں، جو بدیل سے کہہ چکے تھے۔ اُس وقت عروہ نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: أي محمد! أرأيت إن استأصلت أمر قومک، هل سمعت بأحد من العرب اجتاح أصله قبلک؟ وإن تکن الأخریٰ، فإني والله لأری وجوهاً، وإني لأری أشواباً من الناس خليقاً أن يفروا، ويدعوک ''اے محمد! اگر تم نے اپنی قوم کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی ہی قوم کا خاتمہ کر دیا ہو؟ لیکن اگر لڑائی کا رخ بدلا (اور اہلِ مکہ تم پر غالب آ گئے) تو میں تمہارے ساتھ ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے''۔

عروہ کی اِس بدگمانی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سخت درشت لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا: کیا ہم محمد ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سخت کلامی کو سن کر عروہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: ابوبکر ہیں! عروہ نے کہا: اگر مجھ پر تمہارا (زمانۂ جاہلیت میں دیا ہوا وہ) احسان نہ ہوتا، جس کی میں نے ابھی مکافات نہیں کی ہے تو میں تمہیں اِس سخت کلامی کا جواب ضرور دیتا۔

اب عروہ حضور ﷺ سے محوِ گفتگو ہوئے اور عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے کلام آپ ﷺ کی داڑھی مبارک پر بھی ہاتھ پھیرتے جاتے۔ عروہ کی اِس حرکت کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جسارت تصور کیا اور اُن کے ہاتھ پر ٹھوکا دیا اور کہا: أخر يدک من لحية رسول الله ﷺ ''حضور ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنے ہاتھ دور رکھو''۔ عروہ نے زرہ پوش حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ اُٹھائی اور پوچھا: یہ کون؟ جواب ملا: مغیرہ بن شعبہ! یہ سن کر عروہ نے کہا: ارے او غدار! کیا میں نے تمہاری اُس غداری کا بدلہ نہیں دیا تھا (جو تم نے زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم

کے ساتھ کیا تھا؟)۔ پھر دُزدِیدہ نگاہوں سے صدق وصفا کے پیکر عشاقِ رسول کو دیکھنے لگے اور جاں نثارانِ رسول کی اِک اِک ادا کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد قریش کے پاس لوٹے اور یہاں کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرنے لگے: '' اے اہلِ مجلس! بخدا میں نے بادشاہوں کے محلات اور قصور کے سیر کئے ہیں، میں نے کسریٰ اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے؛ لیکن میں نے کسی بھی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا، جس کے لوگ اُس کی اِس قدر تعظیم کرتے ہیں، جس قدر تعظیم محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! محمد کی ناک کی ریزش بھی زمین پر گرنے نہیں پاتی کہ اُس کے ساتھی اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں، وہ جب کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اُس کے ساتھی اُس کام کو انجام دینے کے لئے لپک پڑتے ہیں، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کو لینے کے لئے منافست پر اتر آتے ہیں، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تمام لوگ مہر بہ لب ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی شخص عظمت وجلال کی وجہ سے اُسے نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتا، یقیناً محمد کی طرف سے ایک مناسب تجویز آئی ہے، اُسے قبول کر لینا چاہئے''۔

عروہ کی باتیں سن کر بنو کنانہ کے ایک فرد نے آپ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، قریش نے اُسے بھی جانے کی اجازت دیدی۔ جب وہ کاروانِ نبوت کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: '' دیکھو! فلاں آرہا ہے، اِس کا تعلق ایسی قوم سے، جو ہدی کے جانوروں کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتی ہے، لہٰذا تم لوگ ہدی کے جانوروں کے ساتھ اِس کا استقبال کرو''۔ صحابہ نے جانوروں کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ جب اُس نے یہ کیفیت دیکھی تو بے ساختہ پکارا: سبحان الله! ماينبغي لهؤلاء أن يصدوا عن البيت ''سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو تو بیت اللہ سے نہیں روکا جانا چاہئے''۔ پھر وہ قریش کے پاس لوٹ کر آیا اور اُس نے اپنی یہی رائے پیش کی۔

اب مکرز بن حفص نے آنے کی اجازت لی۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مکرز بن حفص آرہا ہے، یہ بُرا آدمی ہے''۔ پھراُس کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہوگئے۔ اِسی دوران قریش کی طرف سے وثیقۂ عہد تیار کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پاس سہیل بن عمرو آیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو املاء کے لئے بلایا اور کہا: لکھو ﴿بسم الله الرحمٰن الــرحيم﴾۔ سہیل نے کہا: ''ہم رحمان کو نہیں جانتے؛ اِس لئے وہ لکھو، جو ہم لکھتے چلے آرہے ہیں، یعنی: **بـاسمک اللهم**''۔ آپ ﷺ نے **بـاسمک اللهم** لکھوایا، پھر کہا: لکھو **هـذا مـا قاضى عليه محـمد رسول الله** ''یہ وہ امور ہیں، جن پر اللہ کے رسول محمد نے مصالحت کی ہے''۔ سہیل نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم ہی کر لیتے تو بیت اللہ سے ہرگز نہ روکتے اور نا ہی آپ سے جنگ کرتے؛ اِس لئے محمد بن عبداللہ لکھئے''۔ آپ ﷺ نے اُس کی یہ بات سن کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اگر چہ کہ تم لوگ مجھے جھٹلاؤ''۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محمد بن عبداللہ ہی لکھنے کے لئے کہا۔

اب تحریری شکل کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ ﷺ نے املا کرایا: ''یہ مصالحت اِس بات پر ہے کہ تم لوگ بیت اللہ کے طواف سے ہمیں نہیں روکو گے''۔ سہیل نے کہا: اس کی وجہ سے کہیں عرب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے؛ اِس لئے یہ آئندہ سال پر اٹھا رکھیں''۔ آپ ﷺ نے اُس کی یہ بات بھی مان لی۔ اب سہیل نے اپنی طرف سے ایک شق لکھائی کہ ''ہمارا کوئی بھی مرد مسلمان ہوکر آپ کے پاس آجائے تو آپ اُسے ہمارے پاس لوٹا دیں گے؛ لیکن اگر آپ کا کوئی ساتھی آپ کا دین چھوڑ کر آئے تو ہم اُسے نہیں لوٹائیں گے''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: سبحان اللہ! دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کسی کو کیسے لوٹایا جائے گا؟

معاہدہ کی اِس شق پر بحث وتمحیص چل ہی رہی تھی کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ بن سہیل بن عمرو قفس

ِ تعذیب سے فرار ہوکر بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے یہاں پہنچے۔ سہیل نے اُنھیں دیکھتے ہی کہا: ’’معاہدہ کا نفاذ یہیں سے ہوگا‘‘، آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ابھی تو معاہدہ کی تکمیل بھی نہیں ہوئی‘‘۔ سہیل نے جواب دیا: ’’پھر تو کسی چیز پر مصالحت نہیں ہوسکتی‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اچھا میری خاطر اِسے چھوڑ دو‘‘۔ اس نے کہا: ’’میں اِس پر بھی تیار نہیں‘‘۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحةمع اهل الحرب و کتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۲) آپ ﷺ نے اُس وقت حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: **یاأباجندل! إصبر واحتسب، فإن الله عز وجل جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجاً ومخرجاً، إناقد عقدنابیننا وبین القوم صلحاً، فأعطیناهم علی ذلک، وأعطوناعلیه عهداً، وإنالن نغدربهم.** (السنن الصغریٰ للبیهقی، باب المهادنة علی النظر للمسلمین، حدیث نمبر: ۳۷۷۲(۸/۱۶۳)، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۹۱۰(۳۱/۲۱۹) ’’اے ابوجندل! صبر کرو اور امید رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے ساتھ دوسرے کمزوروں کے لئے ضرور کوئی سبیل نکالے گا۔ ہم نے قریش سے عقدِ صلح کر لیا ہے اور اس پر زبان دیدی ہے اور ان لوگوں نے بھی ہم سے عہد کیا ہے اور ہم ان غداری کے مرتکب نہیں ہوسکتے‘‘۔ اور اُنھیں واپس مکہ بھیج دیا۔

اِس معاہدہ کی وہ تمام شقیں، جن پر قریش راضی تھے، اِس طرح ہیں:

۱) دس سال تک حرب وضرب موقوف رہے گی۔

۲) قریش کا جو مرد مسلمان ہوکر اپنے اولیاء اور موالی کی اجازت کے بغیر مدینے آجائے، اُسے واپس کر دیا جائے گا۔

۳) مسلمانوں میں سے جو مرد (راہِ ارتداد اختیار کر کے) مکہ آجائے، اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۴) مدتِ معاہدہ میں کوئی دوسرے پر تلوار نہیں اُٹھائے گا اور نا ہی کسی سے خیانت کرے گا۔

۵) محمد اِس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال مکہ میں صرف تین دن رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں، سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور وہ بھی نیام میں رہیں۔

۶) قبائلِ متحدہ جس کے حلیف بننا چاہیں، بن سکتے ہیں۔(زادالمعاد، فصل فی قصة صلح الحدیبیة: ۲۹۹/۳، القول المبین فی سیرة سیدالمرسلین لمحمدالطیب النجار، صلح الحدیبیة: ۳۱٦/۱)

اِس معاہدہ میں آپ ﷺ نے قریش کی وہ تمام شرطیں منظور کر لیں، جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک قسم کی اندرونی گھٹن میں مبتلا ہو گئے؛ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اِس طرح سوال کرنا شروع کر دیا: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ہر سوال کے جواب میں ''کیوں نہیں'' (یعنی ہاں! ہم حق پر ہیں اور میں اللہ کا برحق نبی ہوں) فرمایا۔تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: **فلم نعطی الدنیئة فی دیننا إذن؟** ''پھر ہم دین میں کمی کیوں برداشت کریں؟''۔آپ ﷺ نے جواب دیا: **إنی رسول الله، ولست أعصیه، وهو ناصری** ''میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہ میرا حامی وناصر ہے''۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: کیا آپ ﷺ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ جا کر اُس کا طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: تو کیا میں نے تمہیں یہ بات بھی بتائی تھی کہ اِسی سال کریں گے؟ تم ضرور جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے۔

جب معاہدہ کی تکمیل ہوگئی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: **قوموا، وانحروا، ثم احلقوا** ''اُٹھو، اپنے جانوروں کا نحر کرو اور پھر اپنے سروں کا حلق کراؤ''۔گھٹن کی کیفیت میں مبتلا

ہونے کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی جنبش نہ کی؛ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کسی نے حرکت نہیں کی تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور لوگوں کے اِس ردِ عمل کا تذکرہ کیا، حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: **یانبی الله! أتحب ذاک؟ أخرج، ثم لاتکلم أحداً منهم کلمةً؛ حتیٰ تنحر بدنک، وتدعو حالقک فیحلقک** ''اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ (اگر آپ یہ چاہتے ہیں) تو نکلئے اور کسی سے ایک لفظ مت کہیے، بس سیدھے جا کر اپنے ہدی کے جانور ذبح کر دیجئے اور نائی کو بلوا کر حلق کروائیے''۔ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے مشورے پر عمل کیا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تو اُن لوگوں نے بھی اپنے جانور ذبح کر دئے اور (مارے گھٹن کے) ایک دوسرے کا اِس طرح حلق کرنے لگے، جیسے گردن ہی کاٹ ڈالیں گے۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۲)

حدیبیہ میں تقریباً دو ہفتے قیام کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کے ساتھ واپسی کے لئے کجاوہ کسا۔ جب مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر ﴿إنا فتحنا لك فتحاً مبيناً﴾ سنائی۔ صحابہ انگشت بدنداں رہ گئے اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: قسم ہے اُس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے! بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔ (مسنداحمد، حدیث مجمع بن جاریةؓ، حدیث نمبر: ۱۵٤۷۰ (۲۱۲/۲٤)

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو ابوبصیر کفار قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ قریش نے فوراً اِن کی واپسی کے لئے دو لوگوں کو مدینہ روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے ایفائے عہد کرتے ہوئے ابوبصیر کو اُن کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ کر دیا۔ ابوبصیر اُن کے ساتھ روانہ تو گئے؛ لیکن راستہ

میں اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا، جب دوسرے نے یہ حال دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا مدینہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میرا ساتھی تو مارا گیا اور اب میں بھی مارا جانے والا ہوں، اُسی کے پیچھے ابو بصیر بھی مدینہ پہنچے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے عہد کو پورا کر دیا۔ آپ نے تو مجھے اُن کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سے نجات کی میرے لئے ایک سبیل مہیا فرما دی ہے۔ میں نے یہ جو کچھ کیا، محض اس لئے کیا کہ میرے اور اِن کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ویل أمه! مسعر حرب. لو كان له أحد! ''ناس ہو! جنگ بھڑکانے والا ہے۔ کاش! کوئی اِس کے ساتھ ہوتا''، حضرت ابو بصیر سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کو میرا یہاں ٹھہرنا پسند نہیں؛ چنانچہ اُنھوں نے ساحلِ سمندر کو ٹھکانہ بنایا (بخاری، باب الشروط فی الجهاد...... حدیث نمبر: ۲۷۳۲)۔ اب جو بھی مکہ سے فرار ہو کر آتا، سیدھے ساحل پر پہنچتا، اِس طرح ستر (۷۰) یا تین سو (۳۰۰) لوگوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھی ہوگئی۔ یہ ساحل مکہ سے شام جانے والے تاجرینِ قریش کی راہ میں پڑتا تھا؛ چنانچہ اِن لوگوں نے اُن کے مال واسباب کو اپنی غذائی قلت دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔ جب قریش اِن سے تنگ آ گئے تو آپ کو اِن لوگوں کو اپنے پاس بلا لینے کی اجازت دیدی اور اِس طرح معاہدہ کی ایک شق کو اُن لوگوں نے خود ہی کالعدم قرار دے دیا، جب کہ پورا معاہدہ اُس وقت اختتام پذیر ہوا، جب قریش کے حلیف بنو بکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر چشمۂ ''وتیر'' میں شب خوں مارا اور اُن کے بہت سارے افراد کو موت کی نیند سُلا دیا۔ چنانچہ عمرو بن سالم خزاعی نے بنو خزاعہ کا ایک وفد لے کر دربارِ نبوت میں حاضر باش دُہائی دی، جس کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: **نُصِرْتَ یاعمرو بن سالم**. (سنن الكبرى للبيهقى، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۱) ''اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی''۔ پھر آپ نے بنو خزاعہ کی مدد کی، جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔

یہ تھی روداد معاہدہ۔اب آئیے اِس معاہدہ سے حاصل ہونے والے دروس واسباق پر نظر ڈالتے چلیں:

معاہدہ کا لحاظ

آپ ﷺ نے کفارِ قریش سے کئے ہوئے اِس معاہدہ کا پورا پورا لحاظ فرمایا اور معاہدہ کے مطابق ہر اُس کام کو انجام دیتے رہے، جو معاہدہ میں طے ہوا تھا؛ چنانچہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب ابوبصیر قید و بند کی صعوبتوں سے چھٹکارا حاصل کر کے مدینے پہنچے اور مشرکینِ مکہ نے اِن کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے اِنھیں اُن کے بھیجے ہوئے آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور اُس عہد کی پاسداری کا مکمل ثبوت دیا، جو آپ ﷺ نے اُن سے حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔

آج ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم بھی اپنے کئے ہوئے عہد کا ایفا کرتے ہیں؟ کیا ہم وعدہ کر کے اپنی ادنیٰ منفعت کی وجہ سے اُس کی خلاف ورزی نہیں کر بیٹھتے ؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے معاہدہ کو نقصان سے بچنے کا ایک ظاہری سبب بنا رکھا ہے اور پسِ پشت مُعاہِد (معاہدہ کرنے والا) کو ضرر پہنچانے کی تدبیریں نہیں کرتے رہتے؟ ہمارے آقا ﷺ نے تو غیر سے کئے ہوئے عہد کو نباہ کر کے دکھا دیا اور ہم اُسی کے امتی ہونے کے باوجود اپنوں سے کئے ہوئے پیمان کا پاس نہیں رکھتے۔کاش! آپ ﷺ کے اِس عمل سے ہم نصیحت حاصل کرتے!

مقصد پر نظر

آپ ﷺ جب مقامِ عسفان پہنچے تو آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ خالد بن الولید (جو ابھی تک اسلام کی سعادت سے محروم تھے) ہراول دستے کے طور پر دوسو شہ سواروں کے ہمراہ ''غمیم'' تک پہنچ چکے ہیں۔اِس خبر کے سنتے ہی آپ ﷺ نے اپنا راستہ بدل لیا کہ مقصود لڑائی نہیں؛ بل کہ

سعادتِ عمرہ سے سرفراز ہونا تھا۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو اُن کا مقابلہ کر کے بہ زورِ شمشیر اُن سے راستہ خالی کروا لیتے؛ لیکن چوں کہ آپ ﷺ کا مقصد قطعاً لڑائی نہیں تھا؛ بل کہ آپ ﷺ کا مقصد بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونا تھا؛ اس لئے آپ ﷺ نے مقصد پر نظر رکھتے ہوئے بذاتِ خود اپنا راستہ بدل لیا۔

آج ہمیں اِس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم بھی اپنے مقصد پر نظر رکھ رہے ہیں؟ کیا ہم بھی اپنے مقصد کے حصول کے لئے جھگڑا وفساد سے گریز کرتے ہیں؟ ہم تو ایسے ہیں کہ بلاوجہ اپنے بھائی کو مقدمات کے گھن چکر میں ڈال کر اُس کی زندگی کے مقصد بھی اُسے محروم کر دیتے ہیں۔ ہم حقیقی مقصد کو چھوڑ کر انا کی جیت کو مقصد کا درجہ دیتے ہیں۔ کاش! معاہدۂ حدیبیہ کے اس واقعہ سے ہم ''مقصد پر نظر'' رکھنے کا سبق حاصل کر سکیں۔

مصلحت اندیشی

آپ ﷺ نے کفارِ قریش کے پاس سب سے پہلے یہ پیغام بھجوایا کہ ''ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار زار کر دی ہے؛ اس لئے بہتر ہے کہ ہم ایک مدت تک کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیں اور مجھے عربوں کے ہاتھوں چھوڑ دیں''۔ یہ اِس مصلحت کے پیشِ نظر تھا کہ اگر ایک مدت تک جنگ بندی ہو گئی تو اِس طرف سے دھیان ہٹا کر دعوتِ اسلام کی طرف پوری توجہ مرکوز کی جا سکتی ہے اور ہوا بھی یہی کہ معاہدہ کے بعد ہی آپ ﷺ نے دیگر بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔

آج ہم اپنا محاسبہ کریں کہ کیا ہمارے اندر یہ مصلحت اندیشی پائی جا رہی ہے؟ آج ہم صرف جوش کے ٹٹو پر سوار ہو کر نہ جانے کتنے بنتے کام بگاڑ دیتے ہیں! اور جہاں عزم وجزم کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں دُبک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ہماری مصلحت نا اندیشیوں کی کئی مثالیں

موجود ہیں۔ قضیۂ بابری مسجد کے سلسلہ میں ایک بات یہ آئی تھی کہ اُسے آثارِ قدیمہ کے حوالے کر دیا جائے؛ لیکن مشورہ دینے والے پر ہی یہ الزام دھر دیا گیا کہ یہ حکومت کا پٹھو ہے۔ حالاں کہ آثارِ قدیمہ کے حوالے کر دینے کی بات مصلحت سے خالی نہیں تھی۔ جب مسجد کی چولیں ہل گئیں تب یہ بات سمجھ میں آئی۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اپنی کم ہمتی اور بزدلی کو ضرور ''مصلحت اندیشی'' کا نام دیتے ہیں۔ ہمیں آپ ﷺ کی اِس مصلحت اندیشی سے کچھ سیکھنا چاہئے۔

صلح میں پہل

کفارِ قریش کی طرف سے کسی پیش قدمی سے پہلے ہی آپ نے صلح ومعاہدہ کا پیغام اُنھیں بھجوایا، یہ آپ ﷺ کی طرف سے دستِ صلح دراز کرنے میں پہل کرنے کی ایک اعلیٰ مثال ہے____ آج ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ کیا ہم بھی کسی سے صلح کرنے میں پہل کرتے ہیں؟ آج ایسے بہت سارے نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ایک سگے بھائی کی چپقلش اپنے سگے بھائی سے برسوں سے چلی آرہی ہے۔ راہ چلتے ایک دوسرے سے منھ چراتے ہیں۔ نہ خوشی کی بزم میں شریک ہوتے ہیں اور نا ہی غم کی مجلس میں حاضر؛ بل کہ ایک دوجے کی دشمنی میں جلتے بھنتے رہتے ہیں، بہت سارے مواقع پر ایک دوسرے سے بغل گیر بھی ہونا چاہتے ہیں؛ لیکن مونچھ کی اکڑن اور ناک کی اونچائی ایسا کرنے سے مانع بنتی ہے۔ کاش! آپ ﷺ کے اِس اُسوہ پر ہم عمل پیرا ہو سکتے!

اہانتِ رسول پر ردعمل

جب عروہ آپ ﷺ سے ہم کلام ہوئے اور عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے کلام آپ ﷺ کی داڑھی مبارک پر بھی ہاتھ پھیرنے لگے تو عروہ کی اِس حرکت کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جسارت اور اہانت تصور کیا اور اُن کے ہاتھ پر ٹھوکا دیا اور کہا: ''حضور ﷺ کی داڑھی

مبارک سے اپنے ہاتھ دور رکھو“۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے اِس فعل سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ آج دشمنانِ اسلام آپ ﷺ کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کررہے ہیں؛ لیکن ہم اُن گستاخیوں کا جواب بجز احتجاج کے اور کسی طرح نہیں دے رہے ہیں، ہمیں احتجاج سے آگے بڑھ کر ایسے قوانین وضع کرنے کا مطالبہ بھی کرنا چاہئے، جس میں اِس طرح کی حرکت کرنے والوں کے لئے سخت ترین سزاؤں کی تعیین ہو اور اگر طاقت ہو تو اُس مرتکبِ جرم کو اُسی طرح ٹھوکا دینے سے گریز نہ کریں، جس طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

بُرے کی بُرائی سے آگاہی

جب مکرز بن حفص آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا: ”مکرز بن حفص آرہا ہے، یہ بُرا آدمی ہے“ ــــــ آپ ﷺ کے اِس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم برے شخص کی برائی دوسروں کے سامنے واضح کردیں؛ تاکہ وہ اُس کی برائی سے محفوظ رہ سکے۔ آج ہمارے درمیان بہت سارے ایسے لوگ ہیں، جو بروں کی برائی سے اپنے بھائی کو اس لئے آگاہ نہیں کرتے کہ یہ اُس کا معاملہ ہے، وہ سمجھے، مجھے اس سے کیا سروکار؟ خصوصاً رشتوں کے معاملے میں اِس طرح کے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اس عمل سے ہمیں نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور برے کی برائی سے دوسروں کو بھی محفوظ رکھنا چاہئے۔

مستقبل پر نظر

معاہدہ کی تمام شقیں بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں؛ لیکن آپ ﷺ نے تمام کو منظور

فرمایا، دراصل آپ ﷺ کے پیشِ نظر مستقبل تھا کہ ایک بار معاہدہ ہوجانے کے بعد سکون واطمینان کے ساتھ دعوتِ دین کے فریضہ کی ادائے گی کی طرف توجہ دی جاسکے گی، جس کے نتیجہ میں دیگر قبائلِ عرب کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا قوی امکان تھا۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ مدتِ معاہدہ میں اچھے خاصے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

آج ہماری نگاہ کسی بھی کام میں مستقبل کے بجائے حال پر ہوتی ہے۔ ہم کام کم اور نتیجہ کی فکر زیادہ اور شتاب کرتے ہیں؛ حالاں کہ عجلت پسندی کے نتیجہ میں آراستگی کم اور اُجاڑ زیادہ ہوتا ہے، کسی بھی کام کی ابتداء ہمیں یہ سوچ کر نہیں کرنی چاہیئے کہ اِس کا ثمرہ پیش از پیش حاصل ہوجائے؛ بل کہ مستقبل کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ اسی سوچ کے ساتھ کوئی فعل یا فیصلہ کرنا چاہیئے کہ صلح حدیبیہ کا ایک پیغام یہ بھی ہے۔

بیوی کے درست مشورے پر عمل

جب معاہدہ کی تکمیل ہوگئی تو آپ ﷺ نے صحابہ سے ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور اپنے سروں کے حلق کرانے کا حکم دیا۔ گھٹن کی کیفیت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی جنبش نہ کی؛ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کسی نے حرکت نہیں کی تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنھا) کے پاس آئے اور لوگوں کے اِس ردِ عمل کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنھا) نے فرمایا: ''اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ (اگر آپ یہ چاہتے ہیں) تو نکلئے اور کسی سے ایک لفظ کہے بنا اپنے ہدی کے جانور ذبح کردیجئے اور نائی کو بلوا کر حلق کروایئے''۔ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ کے درست مشورے پر عمل کیا۔

آج ہم اپنی بیویوں کے کسی بھی مشورے کو قبول کرنے کی نگاہ سے نہیں دیکھتے؛ حالاں کہ اُن کے بہت سارے مشورے راہِ صواب کی رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اِس عمل سے ہمیں یہ

درس ملتا ہے کہ اپنی بیویوں کے مشورے کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں، درست معلوم ہونے پر اُس پر عمل کرنے سے صرف یہ سوچ کر نہ کترائیں کہ لوگ کہیں ''جورو کا غلام'' نہ کہنے لگیں۔

مسلمان کی جان کی قیمت

جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے ان کے خون کا بدلہ لینے پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی اور فرمایا: جب تک میں عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لوں، اُس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ اِس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کی جان کی قیمت کیا ہے؟

آج ہم اپنے معاشرہ پر نظر دوڑائیں کتنے ایسے لوگ ہیں، جو ایک مسلمان کے خون کو اتنی اہمیت دیتے ہیں؟ جو گھریلو لڑائی کے بدلہ اپنے حقیقی بھائی کے قتل کے درپے نہیں ہو جاتے؟ جو ایک مسلمان کے خون ہو جانے کی خبر سن کر بے چین ہو جاتے ہیں؟ آج مختلف ممالک میں خونِ مسلم کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، کیا ہمارا دل اِس پر مچل اُٹھتا ہے؟ کاش! بیعۃ الرضوان سے یہ سبق ہم سیکھ سکتے!!



غزوۂ خیبر

محرم سات ہجری کا واقعہ ہے، حضور اکرم ﷺ کو یہ اطلاع بہم پہنچی کہ خیبر کا یہودی سردار اسیر بن رزام نے اسلامی ریاست ''مدینہ'' پر یورش کرنے کے لئے قبیلہ غطفان کے باہمی تعاون سے ایک فوج گراں تیار کی ہے؛ چنانچہ آں حضرت ﷺ نے تحقیقِ خبر کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر روانہ فرمایا، انھوں نے خیبر پہنچ کر ساری تفصیلات فراہم کیں اور حضور اکرم ﷺ کے گوش گزار کردیں۔

نبی کریم ﷺ نے صلح وتنبیہ کی غرض سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی قیادت میں تیس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خیبر کے لئے روانہ فرمایا، ان لوگوں نے خیبر پہنچ کر ان کے سردار اسیر سے کہا: حضور ﷺ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ مدینہ چلے چلو تو خیبر کی زمامِ حکومت تمہارے ہی قبضہ میں رہے گی، یہ سن کر اسیر اپنے تیس ہمراہیوں کے ساتھ تحفظ واحتیاط کا دامن اس طرح تھامے ہوئے پابہ رکاب ہوا کہ یہود ومسلمان میں سے دو دو افراد ہم رکاب رہیں، مقام قرقرہ پہنچ کر بدگمانی کے بھوت نے اسیر کے دل میں کچوکے لگایا؛ چنانچہ اس نے اپنے ہم رکابی حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ کی شمشیر چھیننے کی کوشش کی، جس کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا: او دشمن خدا! پامالی عہد پر تلا ہوا ہے، پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جب اسیر زد پر آ گیا تو تلوار اس طرح ماری کہ اس کی ران کٹ گئی، تاہم گرتے گرتے اس نے حضرت عبداللہؓ کو بھی زخمی کردیا، یہ دیکھ کر مسلمان یہود پر ٹوٹ پڑے اور ایک کے سوا تمام کو واصل جہنم پہنچا دیا۔(عیون الأثر لإبن سیدالناس، سریة عبدالله بن رواحة: ۲/۱۵۱،طبقات ابن سعد:۳/۵۲۶)

ابتدائے اسلام ہی سے قومِ یہود نہ صرف یہ کہ اعداء کی صف کھڑی رہی؛ بل کہ ایذا رسانی میں بھی پیش پیش رہی، تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ بنوقریظہ کو در بدری کا حکم دیا گیا، غزوۂ خندق کے برپا کرنے میں بھی ان کا بڑا ہاتھ تھا، اب پھر شرمندۂ تعبیر نہ ہونے والا اسلامی ریاست پر حملہ کا خواب دیکھنے میں مصروف تھے، یہود کو خواب دکھانے میں منافقین مدینہ کا اہم رول تھا، وہ مدینہ کی ساری خبریں یہود تک پہنچاتے رہتے تھے؛ حتی کہ یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمانوں کی اوقات ہی کیا؟ چند سو ہیں اور وہ بھی پاپیادہ و بے ہتھیار، تم حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دو، ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔

قرقرہ میں پیش آئے تازہ ترین واقعہ نے ان کے ناپاک ارادہ میں دیا سلائی دکھانے کا کام کیا؛ چنانچہ انھوں نے غطفان کو اس وعدہ پر اپنے ساتھ شریک کیا کہ مدینہ پر حملہ کرنے کی صورت میں ہم تمھیں نخلستان کی نصف پیداوار دیں گے (تاریخ خمیس: ۲/۴۳، بحوالہ: سیرۃ النبی: ۱/۴۷۸)، غطفان کا ایک طاقت ور قبیلہ ''بنوفزارہ'' کو جب یہود خیبر کی منصوبہ بندی کی اطلاع ہوئی تو وہ بغیر کسی شرط کے ان کے ہم دوش لڑنے پر آمادہ ہوگئے، بنوفزارہ کے اس حرکت کی خبر جب آں حضرت ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے ایک خط لکھ کر ان کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی، مزید یہ بھی کہا کہ: خیبر کے فتح ہو جانے پر تمھیں بھی حصہ دیا جائے گا؛ لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ (معجم البلدان: ۳/۱۵۲)

یہودِ خیبر کی طرف سے پیش قدمی ان کے حلیف غطفان نے اس طرح کی کہ ذی قرد کی چراگاہ پر ہلہ بول کر حضور اکرم ﷺ کی بیس اونٹنیوں کو پکڑ لیا، نیز چراگاہ کے محافظ حضرت ابوذرؓ کے بیٹے کو قتل بھی کر دیا اور ان کی بیوی کے پیروں میں جس بے جا کی زنجیر ڈال دی، جب مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا تو وہ درہ میں جا گھسے، حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے **واصباحاہ** کے ذریعہ سے

مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی اور تاخیر کیے بغیر تن تنہا اونٹنیوں کو چھڑانے نکل پڑے، اور پانی کے ایک گھاٹ پر دشمنوں تک جا پہنچے اور ان پر تیروں کی مینھ برسا کر اونٹنیوں کو چھڑا لائے، پھر آں حضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا: دشمنوں کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں، اسی وقت ان کا تعاقب کیا جائے (تو ان کو پا بہ جولاں کیا جا سکتا ہے)، آں حضرت ﷺ نے فرمایا: **یاابن الأکوع! ملکت فأسجح، إن القوم یقرون فی قومھم**. (بخاری، باب من رأى العدو فنادى بأعلى صوته: یاصباحاه......، حدیث نمبر: ۳۰۴۱، مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۰۶) "اے ابن اکوع! قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو، ان کی مہمان نوازی تمہاری قوم کر رہی ہے"۔

اب آپ ﷺ نے خیبر کے اُس سوتے کو بند کرنے کا عزم کیا، جہاں سے فتنے ابل ابل کر سارے عرب کے کشت ذہن کی آبیاری کرتا رہا تھا؛ چنانچہ آں حضرت ﷺ نے کوچ کا حکم دیتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: "ہمارے ساتھ صرف جہاد کے آرزومند لوگ ہی نکلیں"، پھر آپ ﷺ نے حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ کا افسر مقرر کیا اور وہاں سے روانہ ہوئے، فوج کی تعداد سولہ سو تھی، جن میں دو سو سوار اور باقی پا پیادہ تھے، اس موقع پر آپ ﷺ نے تین علم بھی پہلی مرتبہ تیار کروائے، جن میں سے ایک ایک حضرت حباب بن منذرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو عنایت ہوئے، جب کہ خاص علمِ نبوی، جو حضرت عائشہؓ کی چادر سے بنا ہوا تھا، حضرت علیؓ کو عطا ہوا، اس طرح اسلامی فوج کی روانگی ہوئی، راستہ میں مشہور شاعر حضرت عامر شعبیؓ سے کہا گیا: کیا بات ہے، تمہاری آواز نہیں آرہی ہے؟، جواب میں انھوں نے رجزیہ اشعار پڑھے:

اللھم لولا أنت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

(اے اللہ اگر تو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ خیرات کرتے نہ نماز پڑھتے)

فاغفر فداء لک ما أبقینا وثبت الأقدام إن لاقینا

(تو ہمیں معاف کر دے، ہم تجھ پر فدا رہیں، جب تک زندہ رہیں، اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ)

وألقين سكينة علينا إنا إذا صيح بنا أبينا

(ہم پر سکینت نازل فرما، جب ہم سے فریاد چاہی جاتی ہے تو ہم فریاد کے لئے آتے ہیں)

وبالصياح عولوا علينا

(لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے)

ان رجزیہ اشعار کو سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: یہ کون حدی خواں ہے؟ جواب دیا گیا: عامر بن الاکوع، آپ نے دعا دی اور یرحمہ اللہ کہا۔ (بخاری، باب غزوة خيبر، حدیث نمبر: ٤١٩٦، مسلم، حدیث نمبر: ١٨٠٢، مسند احمد، حدیث نمبر: ١٦٥١١)

کچھ خواتین بھی اپنے جذبۂ ایمانی سے مجبور ہو کر اس غزوہ میں شرکت کے لئے نکل پڑیں، جب آپ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا اور غصہ بھری ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: مع من خرجتن، وبإذن من خرجتن؟ ''کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئیں؟''، انھوں نے جواب دیا: ہم اس لئے آئی ہیں؛ تاکہ چرخہ کاتیں اور اس کے ذریعہ سے اللہ کی راہ میں تعاون کریں، (نیز) ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں، اسی طرح ہم تیر بھی اٹھا کر لائیں گے اور ستو بھی بھگوئیں گے''، خواتین کے اس جواب کو سن کر آپ نے فرمایا: قمن ''(تب) چلے چلو'' (ابوداود، باب فی المرأة والعبد يحذيان من الغنيمة، حدیث نمبر: ٢٧٣١)۔

اب حضور اکرم ﷺ لشکر اسلام کے ساتھ آگے بڑھے اور مقام رجیع میں خیمہ زن ہو گئے، رجیع خیبر وغطفان کے بیچوں بیچ کا مقام ہے، یہیں زادِ راہ کے رکھنے اور مستورات وغیرہ رکنے کا انتظام کیا گیا اور باقی فوجیں خیبر کی راہ پر چل پڑی، جب غطفان کو معلوم ہوا کہ ان کے حلیف یہود خیبر پر یورش کے لئے اسلامی لشکر نکل چکی ہے تو وہ ان کے تعاون کے لئے ہتھیاروں سے سج دھج کر نکلے؛ لیکن آگے بڑھ کر معلوم ہوا کہ خود ان کے اپنے گھر محفوظ نہیں تو وہ راستے ہی سے پلٹ آئے۔ (تاريخ الطبری: ٣/٥٧٥)

اسلامی فوج خیبر کے قریب مقام صہباء میں عصر کے وقت پہنچی، آں حضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی، پھر زادِراہ ''ستو'' نوش فرمایا اور آگے بڑھے؛ یہاں تک کہ تاریکی کی چادر تننے سے پہلے ہی لشکرِ اسلام خیبر کے اتنے قریب ہو گیا، جہاں سے عمارتیں نظر آنے لگیں، آں حضرت ﷺ نے مزید پیش قدمی سے صحابہ کرامؓ کو روکا اور وہ دعا پڑھی، جو ہر قریہ میں داخل ہونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے: **اللهم رب السموات وما أظللن، ورب الأرضين وما أقللن، ورب الشياطين وما أضللن، ورب الرياح وما أذرين، فإنا نسئلك خير هذه القرية وخير أهلها وخير مافيها، ونعوذ بك من شرها وشر أهلها وشر مافيها** ''اے اللہ! آسمانوں اور جن چیزوں پر ان کا سایہ ہے، کے رب، زمینوں اور جن چیزوں کو انھوں نے اٹھایا ہوا ہے، کے رب، شیاطین اور جنھیں وہ گمراہ کرتے ہیں، کے رب، ہواؤں اور جن چیزوں کو انھوں نے اڑایا ہے، کے رب، ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی اور اس بستی میں رہنے والے کی بھلائی اور اس میں موجود چیزوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور ہم اس بستی کے شر سے اور اس میں رہنے والوں کے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے، جو اس میں ہیں تیری پناہ طلب کرتے ہیں''، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: **أقدموا بسم الله** ''اللہ کے نام سے آگے بڑھو'' (الروض الأنف، ذكر المسير إلى خيبر: ٤/٦٨، صحيح ابن حبان، حدیث نمبر: ٢٧٠٩)۔

چوں کہ رات ہو چکی تھی اور جناب نبی کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ رات میں یورش نہ کرنے کی تھی؛ اس لئے رات یہیں پڑاؤ ڈال دیا گیا، جب صبح ہوئی اور اذان کی آواز سنائی نہ دی تو آپ ﷺ نے لشکر کو آگے بڑھایا، معمول کے مطابق خیبر کے مزدور پیشہ افراد پھاوڑے اور جھوّے صبح ہی صبح لے کر کھیتوں کی طرف نکلے، اچانک ان کی نگاہ اسلامی فوج پر پڑی، وہ **محمد والخميس معه** ''محمد اور اس کے ساتھ اس کا لشکر'' چلاتے ہوئے الٹے پاؤں لوٹ پڑے، آں حضرت ﷺ نے نعرہ

تکبیر بلند کیا اور کہا: **خربت خیبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم، فساء صباح المنذرين** (عيون الأثر، غـزوة خيبر: ۲/۱۳۳، الروض الأنف، غزوة خيبر، ٤/٦٩) ''خیبر اجڑ گیا، جب ہم کسی قسم کے پاس آتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے''۔

جنگ کے کثیف بادل پہلے سے ہی منڈلا رہے تھے؛ اس لئے یہود خیبر نے بھی تیاری کر رکھی تھی، ابتدا میں تو آپ ﷺ نے صلح کی کوشش کی تھی؛ لیکن یہ سعی ثمر آور نہ ہوسکی؛ اس لئے آں حضرت ﷺ نے بھی صحابہ کرامؓ کو جہاد پر ابھارا اور انھیں موعظت ونصیحت سے سرفراز فرمایا، اسی دوران ایک کالے غلام نے عرض کیا: **إني رجل أسود اللون، قبيح الوجه، منتن الريح، لا مال لي، فإن قاتلت هؤلاء؛ حتى أقتل، أدخل الجنة؟** ''میں ایک کالا کلوٹا، بدہیئت اور بدبودار آدمی ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں ہے، اگر میں اِن سے جنگ کروں اور اس میں مارا جاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟''، آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں! یہ سن کر وہ آگے بڑھا اور لڑتا ہوا شہید ہوگیا، جب آں حضرت ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: **لقد أحسن الله وجهك، وطيب ريحك، وكثر مالك** ''اللہ تمہارے چہرے کو حسین بنادے، تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبودار کردے اور تمہارے مال میں اضافہ کرے''، پھر فرمایا: میں نے 'حور عین' میں سے اس کی دو بیویوں کو دیکھا ہے کہ وہ دونوں اس کا لباس اتارنے اور اس کی کھال ولباس کے درمیان داخل ہونے میں جھگڑ رہی ہیں'' (مختصر سيرة الرسول لسليمان بن سحمان، غزوة خيبر، ص: ١٤١)۔

خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے، جن میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے، سب سے پہلے قلعہ 'ناعم' پر فوج کشی کی گئی، جنگ کی سختی ودرشتی کے بعد قلعہ فتح ہوگیا، پھر یکے بعد دیگرے سالم، نطاۃ، قصارۃ، شق اور مربطہ نامی قلعے بہ آسانی فتح ہوتے چلے گئے، قموص نامی قلعہ میں عرب کا مشہور پہلوان مرحب کی قیادت چل رہی تھی، آں حضرت ﷺ نے اس کو سر کرنے کے لئے حضرت ابوبکر

اورحضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھیجا؛ لیکن قسام ازل نے کامیابی کا سہرا حضرت علیؓ کے نام لکھ دیا تھا؛ اس لئے ان دونوں حضرات کے ہاتھوں قلعہ فتح نہ ہوسکا، اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے حضرات شیخین کے علاوہ بہت سارے کبار صحابہ کو بھی بھیجا گیا؛ لیکن تقدیری طور پر تاخیر ہوتی گئی، بالآخر ایک شام آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لأعطين الراية غداً رجلاً يفتح على يديه يحب الله ورسوله، ويحبه الله ورسوله** ''کل میں اس شخص کو علم دوں گا، جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں''، یہ رات ہر شخص کے لئے امید وانتظار کی رات تھی، پوری رات اس بے قراری میں گزری کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے؟ صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا: أین علی؟ ''علی کہاں ہیں؟''، جواب ملا: آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں، آں حضرت ﷺ نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور دعا فرمائی، یہ لعاب اس طرح داروئے شفا بنا گویا بیماری ہی نہ تھی، پھر آپ ﷺ نے انھیں علم عطا کیا، حضرت علیؓ نے دریافت کیا: کیا میں ان کے مسلمان ہونے تک لڑوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **انفذ على رسلک؛ حتى نزل بساحتهم، ثم ادعهم إلى الإسلام، وأخبرهم بمايجب عليهم، فوالله لأن يهتدی الله بک رجلاً، خیرلک من أن يكون لک حمر النعم** (بخاری، باب غزوۃ خیبر، حدیث نمبر: ٤٢١٠) ''نرمی کے ساتھ چلتے رہو؛ یہاں تک کہ جب ان کے پاس پہنچو تو انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں ان چیزوں کے بارے بتلاؤ، جو ان پر ضروری ہیں، بخدا اگر اللہ نے تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے''۔

حضرت علیؓ نے قموص کے سردار مرحب کے سامنے اسلام پیش کیا اور صلح وآشتی کی دعوت دی؛ لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوا اور یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:

قد علمت خیبر أنی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

(خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر، تجربہ کار اور ہتھیار پوش ہوں)

إذا الحروب أقبلت تلهب

(جب جنگ چھڑتی ہے تو بھڑک اٹھتی ہے)

مرحب کے ان رجزیہ اشعار کے جواب میں حضرت علیؓ بھی رجز پڑھتے ہوئے بالمقابل ہوئے:

أنا الذی سمتنی أمی حیدره کلیث غابات کریه المنظره

(میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، میں شیر نیستاں کی طرح مہیب اور بدمنظر ہوں)

أوفیهم بالصاع کیل السندره

(صاع کے ذریعہ سے سندرہ کیل (ایک بڑا پیمانہ) کے بقدر انھیں پورا دیتا ہوں)

اور مرحب پر ایسا وار کیا، جس نے اس کے سر کے بیچ سے دو ٹکڑے کر دئے اور مہلت کے بغیر ہی اس کی روح واصل جہنم ہوگئی اور یہ قلعہ بھی بیس دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوگیا (صحیح مسلم، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا، حدیث نمبر:۱۸۰۷)۔

ان معرکوں میں ترانوے یہود مارے گئے، جن میں حارث، مرحب، اسیر، عامر زیادہ مشہور ہیں، صحابہ میں سے پندرہ بزرگوں نے جام شہادت نوش جان کیا، فتح کے بعد مفتوحہ زمین پر قبضہ کرلیا گیا؛ لیکن اہل خیبر نے کہا: نحن أعلم بالأرض منکم، فأعطناها علی أن لکم نصف الثمرة ولنا نصف ''ہم زمین کے معاملات سے زیادہ واقف ہیں، لہٰذا یہ زمینیں ہمارے پاس اس شرط پر رہنے دیں کہ ان کی نصف پیداوار ہمارے لئے ہوگا اور نصف آپ کے لئے''، آپ ﷺ نے ان کی بات قبول کرلی؛ چنانچہ جب پھل پک جاتے تو آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو اس کی تقسیم کے لئے روانہ کرتے، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ٹھیک ٹھیک مقدار میں نصف

نصف تقسیم فرمانے کے بعد کہتے کہ جو لینا ہے لے لو، اس عدل کو دیکھ کر یہود کہہ اٹھتے: ھذا الحق وبہ تقوم السماء والأرض قد رضینا أن نأخذہ بالذی قلت ’’یہ حق (اور انصاف ہے) اور اسی کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہیں، ہم آپ کے قول کے مطابق لینے پر راضی ہیں‘‘ (ابوداود، باب فی المساقاۃ، حدیث نمبر:۳۴۱۲)۔

اسی غزوہ میں نکاح متعہ (یہ وہ نکاح ہے، جو ایک متعین مدت تک کے لئے کچھ دے دلا کر کیا جاتا تھا، زمانۂ جاہلیت میں اس کا عام رواج تھا) اور گدھوں کے گوشت کھانے کو ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام قرار دے دیا گیا (بخاری، باب نهی رسول الله ﷺ عن نكاح المتعة آخراً، حدیث نمبر: ۵۱۱۵)، یہ غزوۂ خیبر کی ایک جھلک تھی، اب آیئے اس غزوہ سے حاصل ہونے والے اسباق وموعظت پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں:

خبر کی تحقیق

کسی بھی طرح کی خبر کی تحقیق ضروری ہے، عدم تحقیق کی صورت میں بعض دفعہ خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ اطلاع بہم پہنچی کہ خیبر کا یہودی سردار اسیر بن رزام نے اسلامی ریاست ’’مدینہ‘‘ پر یورش کرنے کے لئے قبیلہ غطفان کے باہمی تعاون سے ایک فوج گراں تیار کی ہے تو آں حضرت ﷺ نے تحقیقِ خبر کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر روانہ فرمایا، انھوں نے خیبر پہنچ کر ساری تفصیلات فراہم کیں اور حضور اکرم ﷺ کے گوش گزار کر دیں، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم بھی اس طرح کی خبر آنے پر پہلے تحقیق کریں، پھر اس کے مطابق کوئی پلاننگ کریں۔

آج جب معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہماری اکثریت اس سے کوسوں دور ہے، وہ ہر خبر کو اس طرح سچ مانتی ہے، جیسے خود اس کا ذاتی معائنہ ہو، تحقیق خبر کے لئے ہمارے پاس

فرصت نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ''اخوت'' کے مظاہر سے دور ہیں، ہمارے اندر منافقت نے گھر کرلیا ہے، ہم اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں سوءِ ظن کے شکار ہیں؛ کیوں کہ خبر کی تحقیق کے بجائے ہم منافق میڈیا کو فرشتہ کے ذریعہ سے دی گئی خبر مانتے ہیں اور میڈیا چوں کہ 'دشمن جاں' ہے؛ اس لئے وہ رائی کو پربت بنا کر پیش کرتا ہے اور ہم بین السطور میں جانے کی زحمت کئے بغیر سو فیصد سچ تسلیم کرتے ہیں، اس کا نتیجہ آپسی چپقلش طے ہے، کاش! ہم آں حضرت ﷺ کے اس عمل کو اپنے لئے نمونہ بناتے !!!

صلح کی کوشش

اسلام جنگ وجدال کا نہیں؛ بل کہ اصلاً صلح وصفائی کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہودیوں کی اتنی شرارتوں کے باوجود میل ملاپ کی غرض سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی قیادت میں تیس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خیبر کے لئے روانہ فرمایا؛ لیکن فطری کج روی کے نتیجہ میں اسیر بن رزام بدعہدی کا مرتکب ہوا، نیز اسی تصفیۂ باہمی کے لئے ہی حضرت علیؓ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''انھیں اسلام کی طرف بلاؤ، اگر کسی ایک نے بھی اسلام قبول کرلیا تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے''۔

آج ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، ہم میں سے کتنے ہیں، جو اپنے دشمنوں کے ساتھ صلح وصفائی کے خواہش مند ہیں؟ کیا ہم ہر وقت اس سوچ میں نہیں پڑے رہتے ہیں کہ ہمارا دشمن بس کوئی دم نہتا مل جائے، پھر تو اس کی لاش لہو سے لت پت زمین پر تڑپتی ہوئی ملے گی؟ صلح میں سراسر خیر ہے؛ اس لئے ہمیں سب سے پہلے اسی کی کوشش کرنی چاہئے، جب صلح کا دروازہ بند ہو جائے تو پھر آگے قدم اٹھانا چاہئے، یہی پیغام ہے غزوۂ خیبر کا، کاش! ہم اسے اپناتے !!

دلیرانہ اقدام

اس غزوہ میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا ایک دلیرانہ قدم بھی سامنے آیا، انھوں نے تن تنہا اُن غطفانیوں سے مقابلہ کیا، جنھوں نے ذی قرد کی چراگاہ سے اونٹنیاں ہنکائی تھیں اور تابڑتوڑ تیر برسا کران سے یہ ساری اونٹنیاں چھڑالائے تھے، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے، وقت ضرورت ہمیں بھی ایسی دلیری سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے، اس کے لئے اپنے اندراسی ایمانی قوت کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جس ایمانی قوت کے بل بوتے پر حضرت سلمہ بن اکوعؓ ساری اونٹنیاں چھڑائی تھیں، کاش! ہمارے اندر بھی وہ ایمانی قوت پیدا ہوجائے تو آج باطل طاقتوں کی پینٹ گیلی اور بیلٹ ڈھیلی نظر آئے گی، کاش! ایسا ہوجائے!!

فتنہ کی بیخ کنی

یہود کی شرارتوں کی ابتدا 'یثرب' کے ''مدینۃ النبی'' بننے سے شروع ہوگئی تھی؛ لیکن آں حضرت ﷺ تنبیہ سے کام چلاتے تھے، جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو نبی کریم ﷺ نے اس فتنہ کو جڑ سے ہی ختم کردینے کا فیصلہ فرمایا؛ تاکہ ''نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری''، آپ ﷺ کے اس فیصلہ کن عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ جب بھی فتنہ حد سے تجاوز کرجائے، اس کو جڑ سے ختم کردینا چاہئے۔

آج ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں، کتنے فتنے ایسے ہیں، جن کی وجہ سے پورا معاشرہ تباہی کے دہانہ تک پہنچ چکا ہے؛ لیکن ہم اس کے سدباب کے لئے تیار نہیں؟ بل کہ آج بہت سارے ''ترقی یافتہ فتنے'' تو خود ہم گھروں میں پنپ رہے ہیں؛ لیکن یا تو ہماری توجہ اس کی طرف نہیں، یا پھر ہم یہ کہتے ہوئے صرف نظر کردیتے ہیں کہ ''یہ تو آج کا فیشن ہے''؛ حالاں کہ اس فتنے کے نتیجہ میں بسا اوقات والدین اور رشتہ داروں کو خون کے آنسو رونا اور لہو کے گھونٹ پینا پڑجاتا ہے، کاش! ہم اس سلسلہ میں اسوۂ نبی کو اپنے سامنے رکھیں۔

مقصدِ جہاد کا اعلان

اس غزوہ کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی بار مقصد جہاد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمارے ساتھ صرف جہاد کے آرزومند لوگ ہی نکلیں''، جس کا مقصد نہ تو غنیمت کا حصول ہے اور نا ہی کشور کشائی؛ بل کہ اس کا مقصد اللہ کے کلمہ کو لوگوں تک پہنچانا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جنگ وجدال کا جواز خاص مقصد کے لئے ہے، اگر وہ مقصد پیش نظر ہے تو خیر، ورنہ مسلمانوں جیسا نام رکھ کر لڑنے سے بھی وہ ''حقیقی اسلامی جہاد'' نہ کہلائے گا۔

آج عالمی سطح پر اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا عالم وجود میں رونما ہونے والی تمام جنگیں (بالخصوص مسلمانی نام رکھنے والے جو لڑ رہے ہیں) اسی مقصد کے تحت لڑی جا رہی ہیں؟ اگر یہی مقصد ہے تو فبہا، ورنہ اصلاح کی ضرورت ہے کہ بلاوجہ عالم انسانیت کے اندر فساد مچانا بھی ''جرم عظیم'' ہے، کاش! اس کو سمجھ لیا جاتا!!

خواتین کا جذبۂ جہاد

عہداول میں تربیت ایسی ہوتی تھی کہ مرد تو مرد، خواتین کے اندر بھی اسلامی حمیت وغیرت انگڑائی لیتی رہتی تھی اور جب بھی ضرورت پیش آتی، وہ بھی مردوں کے ہم دوش رہتیں، قدرت کے اعتبار سے کام میں فرق ہوتا؛ لیکن جذبہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ غزوۂ خیبر کے اعلان کے ساتھ ہی مردوں کے ساتھ کچھ خواتین بھی نکل پڑیں، یہ اور بات ہے کہ میدان حرب وضرب ان کا اصل میدان نہیں ہے؛ لیکن میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے، تشنہ لبوں کی تشنگی فرو کرنے اور تیر اٹھا اٹھا کر دینے کے فرائض بخوبی نباہتی تھیں۔

آج ہم مسلم معاشرہ کا تجزیہ کریں، کیا ایسی خواتین نظر آتی ہیں، جن کے قلوب کے اندر دینی حمیت وغیرت کی تلاطم خیزی پائی جاتی ہو؟ ایسی کتنی خواتین ملیں گی، جو آتش نمرود میں بے

خطر کود پڑنے کے لئے تیار ہوں؟ کتنی خواتین ایسی ہیں، جو جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں؟ غزوۂ خیبر کا ایک اہم سبق یہ بھی ہے کہ ہماری خواتین کے سینوں میں اسلامی حمیت وغیرت انگڑائی لیتی رہے؛ تاکہ ان کی کوکھ سے جنم لینے والے بچوں کے اندر بھی وہ حمیت وغیرت پنپ سکے، کاش! ایسا ہو جائے!!

معاملہ کی پیش بندی

اسلام کسی بھی معاملہ میں پیش بندی کا قائل ہے اور یہ توکل کے خلاف بھی نہیں، خود حضور اکرم ﷺ کے بارے میں منقول ہے: **لکل حال عنده عتاد** ''ہر حالت کے لئے آپ کے پاس تیاری ہوتی تھی''، اگر پیش بندی کر لی کی جاتی ہے تو کسی قسم کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی؛ لیکن اگر نہیں کی جاتی ہے تو مشقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے، غزوۂ خیبر سے اس کا ایک نمونہ ہمیں ملتا ہے، میدان جنگ ہولناک مناظر پیش کرتا ہے اور اگر ساتھ میں خواتین ہوں تو ہولناکی کے خوف میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ جنگ کی شروعات سے پہلے ہی خواتین کی حفاظت کا بندوبست کر لیا جائے؛ تاکہ اس طرف سے اطمینان ہو جائے اور توجہ دوسری طرف مبذول رکھی جائے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ مقام رجیع میں خیمہ زن ہوئے، جو خیبر وغطفان کے بیچوں بیچ کا مقام ہے، تو مستورات کی حفاظت کا پہلے انتظام کیا، پھر باقی فوج کو خیبر کی طرف روانہ کیا گیا۔

آج غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہمارے پاس بھی کسی معاملہ کے سلسلہ میں پیش بندی ہوتی ہے؟ ہم نے نہ جانے کتنے نقصانات اٹھائے ہیں اور آج بھی اٹھا رہے ہیں؛ لیکن افسوس کہ آج بھی کسی معاملہ سے نمٹنے کی تیاری ہمارے پاس نہیں، ہم ہمیشہ صرف اپنی مظلومیت پر آنسو بہاتے ہیں؛ لیکن کسی واقعہ سے عبرت نہیں پکڑتے، ہم نے عصمتوں کو تار تار ہوتے دیکھا،

ہم نے معصوموں کو قتل ہوتے مشاہدہ کیا، ہم نے بہنوں کے سہاگ لٹتے دیکھے، ہماری کئی عید کی خوشیاں ماتمی لبادہ اوڑھ آئیں، ہمارے کتنے بھائی حبس بے جا کے شکار ہوئے اور ہماری مساجد ومقابر میں بھی وحشت زدگی مچائی گئی؛ لیکن کیا پھر بھی ہم نے کسی قسم کی پیش بندی کی؟ کاش! غزوۂ خیبر کے اس واقعہ کو اپنے لئے سرمۂ عبرت بناتے!!

دشمن کو روکنے کی کارگر تدبیر

معاملہ کی پیش بندی یہ بھی ہے کہ ہم اپنے دشمن کو روکنے اور اس کے حملہ سے بچنے کی کارگر تدبیر کریں؛ تاکہ ہمیں کم سے کم نقصان اٹھانا پڑے، حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہود خیبر کے ساتھ ساتھ غطفان بھی ہیں تو غطفانیوں کو یہود خیبر کے ساتھ نہ ملنے دینے کی تدبیر اختیار کرتے ہوئے مقام رجیع میں خیمہ زن ہوئے، رجیع خیبر وغطفان کے بیچوں بیچ کا مقام ہے، جب غطفان کو معلوم ہوا کہ ان کے حلیف یہود خیبر پر یورش کے لئے اسلامی لشکر نکل چکی ہے تو وہ ان کے تعاون کے لئے ہتھیاروں سے سج دھج کر نکلے؛ لیکن آگے بڑھ کر معلوم ہوا کہ خود ان کے اپنے گھر محفوظ نہیں تو وہ راستے ہی سے پلٹ آئے اور اس طرح اسلامی فوج نقصان اٹھانے سے بچ گئی۔

ہم میں سے کتنے ہیں، جو اپنے ہر معاملہ کے لئے پیش کر لیتے ہیں؟ ہماری اکثریت (خواہ فرد کی حیثیت سے ہو یا جماعت کے لحاظ سے) ایسی ہے، جو ایمر جنسی کی قائل ہے، معاملہ پیش آنے کے بعد ہم سوچتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے؟ اور آج کے دور میں بالخصوص اسلامی ممالک کو غزوۂ خیبر کے اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے اور دشمن سے بچنے کی کارگر تدبیر کرنی چاہئے، آج ہم جس پستی اور جور جفا کے شکار ہیں، اس کا ایک نتیجہ معاملات کی پیش بندی نہ کرنا بھی ہے، اگر ہم نے اس کی طرف توجہ دی ہوتی تو کوئی وجہ نہیں کہ دشمن ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکتا، کاش! اب بھی ہم اس سبق کو سیکھ لیں!!

سادگی پسند زندگی

یہ دنیا ہر مؤمن کے لئے قید خانہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: الدنیا سجن المؤمن ''دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے''، اور عقل مند شخص قید خانہ میں عیش وعشرت کی زندگی نہیں گزارتا؛ بل کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ سیدھی سادی زندگی گزر جائے اور جلد رہائی مل سکے؛ تا کہ گھر پہنچ کر عیش کر سکیں، مؤمن کو بھی دنیا میں سادہ زندگی گزارنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس غزوہ سے ایک درس ہمیں اسی سادگی کا ملتا ہے؛ چنانچہ جب اسلامی فوج خیبر کے قریب مقام صہباء میں پہنچی، تو وہ عصر کا وقت تھا، آں حضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نماز عصر ادا کی، پھر زادراہ ''ستو'' نوش فرمایا، تاج دارِ مدینہ ہیں، انواع واقسام کی غذائیں دستیاب ہوسکتی تھیں؛ لیکن سادگی پسند زندگی کا حال یہ ہے کہ ستو نوش فرمارہے ہیں۔

آج ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے، کیا ہم بھی اسی سادگی کے خوگر ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ہمارے خوان میں انواع واقسام کی غذائیں مہیا ہوتی ہیں، جب کہ ہمارے پڑوس میں فاقہ کشی چل رہی ہوتی ہے؟ کیا ہم نے اپنا معیار آراستگی کو نہیں بنایا ہوا ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم ''ضرورت'' اور ''حاجت'' سے آگے بڑھ کر ''تحسینیات'' کے حصول کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں؟ کاش! ہم بھی ظاہری شان وشوکت کو تج کر سادگی پسند زندگی کو اختیار کرتے!!

دعاؤں کا اہتمام

دعا مؤمن کا بہت بڑا ہتھیار ہے، جس سے بندوں کے بہت سارے وہ کام ہو جاتے ہیں، جو تدبیر کے ذریعہ سے نہیں ہو پاتے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی ہے اور صبح وشام، سفر وحضر اور نشست وبرخواست؛ بل کہ ہر ہر موقع کے لحاظ سے امت کو دعائیں سکھلائی ہیں، خیبر میں داخل ہونے سے پہلے بھی آپ ﷺ نے دعا کا اہتمام کیا،

اس سے یہ درس ملتا ہے کہ ہمیں بھی دعاؤوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

آج ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم دعاؤوں کا اہتمام کرتے ہیں؟ صبح وشام، سفر وحضر اور نشست وبرخواست کی دعائیں پڑھتے ہیں؟ حالاں کہ دعاؤوں کا اہتمام تدبیر سے حل نہ ہونے والے کاموں کو بناتا ہے، آج اگر امت دعاؤوں کا اہتمام کرلے تو جس قسم کی پریشانیوں اور تکالیف میں وہ مبتلا ہوتے ہیں اور جس کی وجہ سے بسا اوقات باباؤوں کے درشن کرتے نہیں تھکتے، ان تمام پریشانیوں سے چھٹکارہ مل جائے، کاش! ہم ایسا کرلیتے!!

رنگ ونسل کی نااعتباری

اسلام سے پہلے رنگ ونسل اور ذات وخاندان معیارِ عزت وذلت ہوا کرتے تھے، اسلام نے آکر بتلایا کہ "اللہ کے نزدیک باعزت وہ ہے، جو تم (لوگوں) میں زیادہ تقوی والا ہو" (الحجرات:۱۳)، اور یہ بھی بتلایا کہ "کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، اسی طرح کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری نہیں، ہاں تقوی کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فوقیت ہے" (مسند أحمد، حدیث نمبر:۲۳۴۸۹)، اسلام کے اس تعلیم کی ایک جھلک غزوۂ خیبر میں بھی نظر آئی، جب ایک کالے غلام نے عرض کیا: "میں ایک کالا کلوٹا، بدہیئت اور بدبودار آدمی ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں ہے، اگر میں اِن سے جنگ کروں اور اس میں مارا جاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟"، آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں! یہ سن کر وہ آگے بڑھا اور لڑتا ہوا شہید ہوگیا۔

آج ہم اسلام کی اس تعلیم کو پس پشت ڈال چکے ہیں، ہم لوگوں نے آج پھر اسی "جاہلی معیار" کو گلے لگالیا ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ بہت سارے موقعوں پر باصلاحیت فرد کو صرف اس لئے نظر انداز کردیتے ہیں کہ وہ ہمارے خاندان کا نہیں ہے؟ اور ہمارا یہ رویہ کسی ایک معاملہ کے

ساتھ خاص نہیں؛ بل کہ شادی بیاہ سے لے کر کام کاج تک ہر معاملہ میں ہے، کاش! ہم اسلامی اخوت کو فروغ دیتے اور اس جاہلی معیار کو معیار بنانے سے بچتے، جس سے اسلام نے ہمیں روکا ہے!!

کام کے لئے ماہرفن کا انتخاب

کسی بھی کام کو بہتر طریقہ پر انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے اس کے ماہر کو بلایا جائے، اگر ایسا کیا گیا تو کام ٹھیک ٹھاک طریقہ پر انجام پذیر ہوگا، ورنہ نقص رہنے کے کافی امکانات باقی رہتے ہیں، اس غزوہ سے بھی ہمیں ایک سبق اسی کا ملتا ہے؛ چنانچہ جب فتح کے بعد مفتوحہ زمین پر قبضہ کرلیا گیا تو اہل خیبر نے کہا: ''ہم زمین کے معاملات سے زیادہ واقف ہیں، لہٰذا یہ زمینیں ہمارے پاس اس شرط پر رہنے دیں کہ ان کی نصف پیداوار ہمارے لئے ہوگا اورنصف آپ کے لئے''، آپ ﷺ نے ان کی بات قبول کر کے یہ درس دیا کہ ماہرفن سے کام لینا زیادہ مفید ہوتا ہے، نیز اس سلسلہ میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق بھی نہیں ہونی چاہئے۔

عدل وانصاف

اسلام نے ایسے وقت میں عدل وانصاف کا نعرہ بلند کیا، جب ظلم وناانصافی کے عفریت نے پورے معاشرہ کو اپنے پنجہ میں جکڑ رکھا تھا؛ چنانچہ اس کے متبعین دنیا کے جس خطہ میں گئے، خواہ معلم کی حیثیت سے ہو یا فاتح کی حیثیت سے، انھوں نے اس کا دامن نہیں چھوڑا، جس کے نتیجہ میں پورا پورا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، غزوۂ خیبر کے بعد جب مفتوحہ زمینیں یہود خیبر کے حوالہ کردیا گیا تو پیداوار کی تقسیم کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا جاتا، وہ آتے اور ٹھیک ٹھیک مقدار میں نصف نصف تقسیم فرمانے کے بعد یہودیوں سے کہتے کہ جو لینا ہے لے لو، اس عدل کو دیکھ کر یہود باوجود اسلام دشمنی کے یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ: ''اسی کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہیں''۔

آج ہمیں اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم بھی ایسے ہی عدل وانصاف کا دامن تھامے ہوئے ہیں؟ کیا ہم اپنے مفاد کی خاطر انصاف کا خون نہیں کر دیتے؟ کیا ہم عدل وانصاف کے بیچ میں رشتہ وپیوند کو نہیں گھسیٹتے؟ یقیناً ہم نے اس انصاف کا گلا گھونٹ دیا ہے، جس انصاف نے دشمن کے منھ سے یہ کہلوایا تھا کہ: ''اسی کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہیں''، آج بھی اگر اس عدل وانصاف کو تھام لیا جائے تو کامل یقین ہے کہ جو بے اطمینانی کی کیفیت مسلمانوں کے سلسلہ میں پائی جاتی ہے، وہ دور ہو جائے، کاش! ہم ایسا کر لیں۔

ہدایت کے لئے فکرمندی

اسلام اصلاً جنگ کو ناپسند کرتا ہے اور لوگوں کی ہدایت کو ترجیح دیتا ہے؛ حتی کہ اگر کوئی شخص سونتی ہوئی تلوار کو دیکھ کر کلمۂ شہادت کا اقرار کر لے تو اسے بھی قتل کی اجازت نہیں دیتا، غزوۂ خیبر کا ایک سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہم مارنے سے زیادہ لوگوں کی ہدایت کی فکر کریں، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے انتخاب پر جب حضرت علیؓ میدانِ کارزار گرم کرنے کے لئے جانے لگے تو انھوں نے آں حضرت ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں ان کے مسلمان ہونے تک لڑوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم ان کے میدان میں اترو تو انھیں اسلام کی دعوت دو اور ان کے فرائض سے انھیں آگاہ کرو، بخدا اگر تمہارے ذریعہ سے ایک آدمی کو بھی اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے''۔

کیا ہم بھی لوگوں کی ہدایت کے لئے فکرمند ہوتے ہیں؟ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ ہم ان کو بددعا دیتے ہیں، جب کہ وہ ہماری دعا کے مستحق ہوتے ہیں، ہم اپنی دنیا میں مگن ہیں، صبح کر رہے ہیں، شام کر رہے ہیں، یوں ہی زندگی تمام کر رہے ہیں، اور بس، کاش! ہم بھی بے ہدایت لوگوں کے سلسلہ میں ہدایت کی فکر کرتے!! ☆☆☆

فتح مکہ کا سبق

سن آٹھ ہجری کا واقعہ ہے، بنوبکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنوخزاعہ پر چشمہ ''وتیر'' میں شب خوں مارا، جس میں بنوخزاعہ کے بہت سارے افراد خوابِ غفلت ہی میں مار دئے گئے، جو بیدار ہوسکے، اُنھوں نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی؛ لیکن آج اُنھیں یہاں بھی پناہ نہ مل سکی۔ معاہدۂ حدیبیہ (جس میں قبائلِ عرب کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جو قبیلہ آپ ﷺ کا حلیف بننا چاہے، وہ آپ ﷺ کا اور جو قریش کا حلیف بننا چاہے، وہ قریش کا حلیف بن سکتا ہے) کے بعد یہ قبیلہ آپ ﷺ کا حلیف بن چکا تھا؛ چنانچہ قبیلہ کے پِٹ جانے کے بعد عمرو بن سالم خزاعی بنوخزاعہ کا ایک وفد لے کر دربارِ نبوت میں حاضر باش دُہائی دیتے ہوئے عرض کُناں ہوئے:

یارَبِّ إنی ناشد محمدا   حلف أبینا وأبیہ الأتلدا

(اے پروردگار! میں محمد کو اپنے باپ اور ان کے باپ (عبدالمطلب) کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں)

إن قریشاً أخلفوک الموعدا   ونقضوا میثاقک المؤکدا

(بلاشبہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے اور پختہ عہد و پیمان کو توڑ ڈالا ہے)

هم بیتونا بالوتیر هجدا   وقتلونا رکعا وسجدا

(اُنھوں نے چشمۂ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خوں مارا ہے اور رکوع وسجود کی حالت میں ہمیں قتل کیا ہے)

فانصر رسول الله نصرا اعتدا   وادعوا عباد الله یأتو مددا

(اے اللہ کے رسول! ہماری مستحکم مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں (قبائل) کو بلائیے، وہ کمک لے کر آئیں گے)

اس لرزہ خیز دُہائی کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: **نُصِرْتَ یاعمرو بن سالم.** (سنن الکبری

لـلبیھـقـی، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۱) ''اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی''۔ پھر آپ ﷺ نے عمرو بن سالم سے دریافت فرمایا کہ کیا کل بنو بکر اس شبینہ یورش میں شریک تھے؟ عمرو بن سالم نے جواب دیا: نہیں! بل کہ بنونفاثہ اور اس کا سردار نوفل اس میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے مدد کا وعدہ کر کے اُنھیں رخصت کر دیا۔

اس وفد کی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے قریشِ مکہ کے پاس ایک قاصد اس پیغام کے ساتھ روانہ فرمایا کہ وہ تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں:

(۱) بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں۔

(۲) یا بنونفاثہ کے معاہدہ سے علاحدگی اختیار کر لیں۔

(۳) یا پھر معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصدِ نبوت کے پیغام کو سن کر قرطہ بن عمرو نے زعمِ خودی میں آ کر جواب دیا کہ ہم معاہدۂ حدیبیہ کو فسخ کرنے پر راضی ہیں۔ یہ جوابی پیغام سن کر قاصد وہاں سے چل پڑا، اس کی روانگی کے بعد قریش کے ہوش ٹھکانے آئے اور اپنے پیر پر کلہاڑی مار لینے پر افسوس ہوا؛ چنانچہ ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تجدیدِ معاہدہ کے لئے بھاگم بھاگ مدینہ پہنچے؛ لیکن ''اب کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''، تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں ہوتا، لہٰذا معاہدہ کی تجدید نہ ہوسکی۔

اب آپ ﷺ نے پیکرِ وفا اصحاب کو احتیاط و رازداری کے ساتھ بغیر کسی وضاحت کے جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے بھی عدمِ افشا کی دعاء مانگی: **اللھم خذ العیون، والأخبار عن قریش؛ حتیٰ نبغتھا فی بلادھا**. (عیون الأثر لابن سید الناس: ۲/ ۱۸۴) ''اے اللہ! قریش سے ہماری خبروں کو چھپا؛ یہاں تک کہ اچانک ہم ان کے علاقہ میں پہنچ جائیں''۔

تیاری کی تکمیل کے بعد دس ہزار قدسی صفات جاں نثاروں کے ہمراہ مکہ کے ارادے سے نکلے، جب ''ذوالحلیفہ'' پہنچے تو آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بال بچوں کے ساتھ مدینہ جاتے ہوئے ملے، یہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے؛ لیکن مکہ ہی میں مقیم رہ کر آپ ﷺ تک وہاں کی خبریں بھیجا کرتے تھے۔ جب مقامِ ''ابوا'' میں پہنچے تو آپ ﷺ کے چچازاد اور رضاعی بھائی ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ بغرض اسلام مدینہ جاتے ہوئے ملے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے ابوسفیان آپ ﷺ سے نہایت محبت کرتے تھے؛ لیکن اعلانِ نبوت کے بعد یہ محبت کدورت میں بدل گئی؛ یہاں تک کہ آپ کے ہجو میں اشعار بھی کہے، جس کی وجہ سے آپ سخت نالاں تھے؛ چنانچہ جب اُنھوں نے حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی اور بیزارگی کا اظہار فرمایا؛ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق روئے انور کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت یوسف کے بھائیوں کا جملہ ''**تاللہ لقد آثرک اللہ علینا وإن کنا لخاطئین**''. (یوسف: ۹۱) ''قسم ہے اللہ کی، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بلاشبہ ہم قصوروار ہیں'' دہرایا تو رحمتِ عالم اور حیاء مجسم ﷺ کی زبان سے بھی وہی جملہ ادا ہوا، جو حضرت یوسف کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: **لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم وھو أرحم الراحمین**. (یوسف: ۹۲) ''آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں، اللہ تمہارا قصور معاف کرے، وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے''۔

مکہ کے قریب پہنچ کر ''مرالظہران'' میں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا اور عسکرِ اسلام کو ہر خیمہ کے سامنے علاحدہ آگ روشن کرنے کا حکم فرمایا۔ اہل مکہ کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے یہ دغدغہ لگا ہوا تھا کہ معلوم نہیں کب رسول اللہ ﷺ ہم پر یورش کر بیٹھیں؟ اس لئے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء ٹوہ لینے کے لئے نکلے، مرالظہران کے قریب پہنچ کر اس قدر آگ روشن دیکھی تو اُن پر فزع کی کیفیت

طاری ہوگئی اور یہ دونوں اس کے متعلق اظہار خیال کرنے لگے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی آواز پہچان کر فرمایا: افسوس ابوسفیان! یہ رسول اللہ ﷺ کالشکر ہے، خدا کی قسم اگر تجھ پر فتحیاب ہوگئے تو تیرا سر حلقوم سے جدا کردیں گے،قریش کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ امن کے خواست گار ہوجائیں اوراطاعت قبول کرلیں، پھراپنے خچر پر سوار کرکے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بدیل بن ورقاءاسی وقت مشرف بہ اسلام ہوگئے؛ البتہ ابوسفیان نے صبح کی اولین ساعتوں میں طوقِ طاعت اپنی گردن میں ڈالی۔

جب مرالظہر ان سے اسلامی فوج ظفرموج کوچ کرنے لگا تو آپ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لشکرِ اسلام کے طنطنہ اورشوکت وشان کودکھانے کے لئے ابوسفیان کولے کر پہاڑ پر چڑھ جائیں، لشکراسلام قبیلہ درقبیلہ ٹھاٹھیں مارتاہواموج کی طرح گزرنے لگا تو ابوسفیان انگشت بدنداں رہ گئے اور یکے بعد دیگرے علم خاص لے کرگزرنے والے قبیلے کی بابت دریافت کرنے لگے؛حتیٰ کہ کوکبۂ نبوی ظاہری وباطنی جلال وشکوہ کے ساتھ انصارومہاجرین کے ہتھیاربنداورزرہ پوش جلو میں نکلے۔مہاجرین کا پرچم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھااور انصارکاعلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس۔حضرت سعد نے ابوسفیان کودیکھا تو وفورِ جذبات میں سرشاراورجوشِ جنوں میں بےخودہوکریہ کہدیا: **اليوم يوم الملحمة، اليوم تستحل الكعبة** ''آج لڑائی کا دن ہے،آج کعبہ میں جنگ وجدل جائز ہوگا''۔ابوسفیان نے آپ ﷺ سے حضرت سعد کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: **كذب سعد، ولكن هذا اليوم يعظم الله فيه الكعبة، ويوم تكسى فيه الكعبة.** (بخاری، باب أين ركز النبی ﷺ الراية يوم الفتح،حدیث نمبر: ٤٠٣٠) ''سعد نے غلط کہا،آج خانۂ کعبہ کی عظمت کا دن ہے،آج اس کوغلاف پہنایاجائے گا''۔ پھرحضرت سعد سے علم لےکران کے بیٹے قیس کودے دیا۔

ابوسفیان یہاں سے رخصت ہوکر بعجلت تمام مکہ پہنچے اور اعلان کیا کہ محمد ﷺ لاؤلشکر کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، ان سے مزاحمت کی کسی میں طاقت نہیں، اسلام قبول کرلو، مامون رہوگے؛ البتہ جو مسجدِ حرام میں داخل ہوجائے، وہ محفوظ ہے، جو ہتھیار ڈال دے، وہ بھی محفوظ ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے، وہ بھی محفوظ ہے اور جو میرے گھر میں داخل ہوجائے، وہ بھی محفوظ ہے۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ منتشر ہوگئے، کوئی مسجدِ حرم کی طرف دوڑا تو کسی نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا۔

آپ ﷺ کعبۃ اللہ کے آداب واحترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھتے ہوئے، فرحت وانبساط کے آثار کے ساتھ، تخشع، تضرع، تذلل اور تمسکن کے نقوش لئے ہوئے، سورۂ فتح اور سورۂ نصر کی تلاوت فرماتے ہوئے اس شان سے مکہ میں بالائی جانب سے داخل ہوئے کہ ٹھوڑی مبارک کجاوے سے مس کررہی تھی، نگاہیں نیچی تھیں اور آپ ﷺ کے غلام زادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مکہ کے نشیب سے داخل ہونے کا حکم فرمایا، یہ وہ حصہ تھا، جہاں مکہ اور آس پاس کے کچھ اوباش مزاحمت کے لئے تیار تھے؛ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ان کی جھڑپ ہوئی اور وہ لوگ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر امن قائم ہوگیا۔

مکہ فتح ہوجانے کے بعد آپ ﷺ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ اس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ ایک ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے ہوئے ''جاء الحق وزھق الباطل'' پڑھتے جاتے اور بت منھ کے بل گرتے جاتے۔ آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ کا طواف فرمایا، پھر اس کی کنجی منگا کر کھلوایا اور اس کے اندر نماز پڑھی اور دیوار کعبہ پر بنی ہوئی بتوں کی تصاویر کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر بابِ کعبہ پر کھڑے ہوکر ایک بلیغ خطبہ دیا، جس میں جاہلی رسوم کو کالعدم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان تمام قریشیوں کو ''لاتثریب علیکم الیوم،

إذهبوا فأنتم الطلقاء'' کہتے ہوئے عفوودرگزرکا مژدہ سنایا، جومجرمین کے مانندخم گردنوں کے ساتھ آپ کے سامنے کھڑے تھے؛ البتہ کچھ افراد ایسے تھے، جن کا جرم اس قدر شنیع تھا کہ وہ معافی کے کسی طرح بھی لائق نہ تھے؛ اس لئے ان کے بارے میں یہ حکم صادر فرمایا کہ اگر وہ کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے بھی مل جائیں تو اُنھیں قتل کر دیا جائے؛ لیکن قربان جائیے آپ ﷺ کے رحم وشفقت پر! کہ ان میں سے بھی اکثروں کو معاف فرما دیا۔

یہ فتح مکہ کی مختصر روداد تھی، اب آیئے اس فتح سے حاصل ہونے والے اسباق ودروس پر بھی غور کرتے چلیں:

معاہدہ کا پاس ولحاظ

سن سات ہجری میں مقام ''حدیبیہ'' میں آپ ﷺ اور کفارقریش کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جو تاریخ وسیر کی کتابوں میں ''صلح حدیبیہ'' یا ''معاہدۂ حدیبیہ'' کے نام سے مذکور ہے، اس معاہدہ کی بعض شقیں ایسی تھیں، جو بہ ظاہر مسلمانوں کے بالکل خلاف تھیں اور جن کی وجہ سے صحابہ ایک طرح کی گھٹن محسوس کر رہے تھے؛ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے یہ پوچھ بیٹھے کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ اس کے باوجود بھی آپ ﷺ نے اس کیے ہوئے معاہدہ کا پورا پورا خیال رکھا؛ یہاں تک کہ تکمیل معاہدہ سے پہلے حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے آپ ﷺ تک پہنچے اور سہیل ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے تو صحابہ کے علی الرغم اُنھیں مکہ واپس کر دیا۔

آج ہم اپنا جائزہ لیں کہ کیا ہم بھی اپنے کیے ہوئے معاہدہ کا پاس رکھتے ہیں؟ کیا ہم بھی باندھے ہوئے پیمان کو نہیں توڑتے؟ ہم تو اپنے حقیقی بھائیوں سے کیے ہوئے عہد کا بھی خیال نہیں رکھتے؛ چہ جائے کہ غیر سے کیے ہوئے پیمان کا وفا کریں۔ جو عہد کسی زمانہ میں اسلام کے

پھیلنے کا سبب ہوا کرتا تھا، افسوس! آج اسلام کی توسیع میں رکاوٹ بن رہا ہے، کاش! ہم غور کرتے اور اپنے نبی ﷺ کے کئے ہوئے اس معاہدہ سے سبق لیتے!

حق کی طرف داری

معاہدۂ حدیبیہ میں دس سال تک جنگ بندی پر رضامندی کے ساتھ ساتھ قبائلِ عرب کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جو قبیلہ آپ ﷺ کا حلیف بننا چاہے، وہ آپ ﷺ کا اور جو قریش کا حلیف بننا چاہے، وہ قریش کا حلیف بن سکتا ہے؛ چنانچہ اس اختیار کا استعمال کرتے ہوئے بنوخزاعہ آپ ﷺ کے حلیف بن گئے۔ بنوبکر (جن سے بنوخزاعہ کی پرانی رنجش چلی آرہی تھی) نے اس جنگ بندی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی پرانی چپقلش کا بدلہ نکالنا چاہا اور اس کے لئے قریش سے مدد مانگی، قریش نے مالی امداد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ عددی امداد بھی مہیا کی، جس کی وجہ سے بنوخزاعہ کے بہت سارے افراد بے خبری میں مار لئے گئے۔ بنوخزاعہ اپنے عہد کو یاد دلاتے ہوئے آپ ﷺ سے مدد کے خواست گار ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی حمایت کی اور اس حمایت میں خونی رشتہ بھی کسی طرح رکاوٹ نہ بن سکا، نتیجۃً مکہ فتح ہوا۔

آج ہم اپنے معاشرہ کا محاسبہ کریں کہ ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں، جو حق کے طرف دار ہیں؟ جو رات کو رات اور دن کو دن کہنے میں کسی قسم کا اندیشہ محسوس نہیں کرتے؟ جو سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید کہنے میں نہیں ہچکچاتے؟ آج ہم ہر ایسے شخص کے طرف دار بن جاتے ہیں، جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو، جس کے پاس دولت وثروت کی ریل پیل ہو اور جس کے پاس جاہ وحشم ہو، آج ہماری حمایت میں خونی رشتہ روڑا بن جاتا ہے اور حق پر نہ ہونے کے باوجود بنوحنیفہ کے اس شخص کی طرح ہم اقرباء پرور بن جاتے ہیں، جس نے یہ کہتے ہوئے مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا اقرار کیا تھا کہ یہ ہمارے قبیلہ کا فرد ہے۔ فتح مکہ کا سبق یہ ہے کہ ہم ہر حال میں ''حق کے طرف

دار" بنیں اور حق پر رہنے والے ہی کی مدد کریں۔

جوش میں ہوش

فتح کی خوشی میں سرشار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر "آج لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ میں جنگ وجدل جائز ہوگا" کا نعرہ لگایا، آپ ﷺ سے اس کی شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے حضرت سعد کی اس بات کو ناپسند کیا اور فرمایا: "سعد نے غلط کہا، آج خانۂ کعبہ کی عظمت کا دن ہے، آج اس کو غلاف پہنایا جائے گا"۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد کی تردید فرما کر یہ بتانا چاہا کہ "جوشِ جنوں" میں بھی ہوش قائم رہے اور کوئی ایسی بات نہ کی جائے، جس میں ذرا بھی عُجب پایا جائے یا جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔

آج ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ کیا ہمارے اندر جوش کے ساتھ ہوش پایا جاتا ہے؟ کیا ہم جذبات کی رو میں بہہ کر ایسی حرکتیں نہیں کر گزرتے، جو دوسروں کے لئے باعثِ تکلیف اور خود ہمارے لئے بھی باعثِ ندامت بن جاتی ہیں؟ کیا ہماری احتجاجی ریلیاں بسا اوقات نفرت کے شعلے بھڑکانے کا سبب نہیں بن جاتیں؟ کیا ہمارے جلوس (بسا اوقات) توڑ پھوڑ کا ذریعہ نہیں بنتے؟ یہ ساری باتیں اس وقت پیش آتی ہیں، جب ہم جوش میں ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم کسی بھی حال میں ہوش سے غافل نہ ہوں، اسی میں ہماری کامرانی پنہاں ہے۔

ادنیٰ دل آزاری سے پرہیز

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جذباتی کلمات کو ناپسند کر کے آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ سے علم لے لیا، اگر چاہتے تو کسی دوسرے صحابی کو مرحمت فرما دیتے اور یہ سراسر عدل پر مبنی فیصلہ ہوتا؛ لیکن آپ ﷺ نے اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ کُل سے لے کر جزء کو دینا کُل کے مغایر نہیں ہوتا،

ان کے بیٹے حضرت قیس کو علم عطا فرمایا، حضرت سعد کی تنبیہ بھی ہوگئی اور علم برداری کی سعادت سے محرومی بھی نہیں ہوئی، جس کی وجہ سے اُنھیں دلی تکلیف ہوسکتی تھی۔

آج ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہم بلا وجہ بھی دوسرے کو تکلیف دینا اپنے لئے فخر کی بات تصور کرتے ہیں اور اگر اتفاق سے کوئی ہماری شان میں گستاخی کر بیٹھے تو ہم اس طرح انتقام کی آگ میں جھلس جاتے ہیں، جس طرح مکئی آگ میں جھلستی ہے۔ کاش! ہم آپ ﷺ کے اس عمل سے کچھ سیکھتے!

مسرت کے موقع پر تواضع وانکساری

مکہ کی زمین وہ زمین تھی، جہاں سے بے یارو مددگار اور بے سروسامانی کے ساتھ چھپ چھپا کر ترکِ وطن پر مجبور کیا گیا تھا، آج اسی زمین کو آپ ﷺ فتح کررہے تھے، آپ کا داخلہ تو فاتحانہ ہونا چاہئے تھا؛ لیکن آپ ﷺ داخل کس طرح ہورہے ہیں؟ فاتحانہ نہیں؛ بل کہ نیاز مندانہ! اکڑ کے ساتھ نہیں؛ بل کہ جھک کر! ٹھوڑی مبارک کجاوے سے مس ہورہی ہے، نگاہیں نیچی ہیں، تذلل اور تمسکن کے نقوش لئے ہوئے، سورۂ فتح اور سورۂ نصر کی تلاوت فرماتے ہوئے۔

آج ہم خوشی کے موقع پر آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور ہر ایسی چیز کو بھی جائز سمجھتے ہیں، جس کو غیر بھی انجام دینے سے کتراتا ہے، ہم خوشی کے موقع پر سراسر خلافِ شرع امور انجام دینے سے نہیں ہچکچاتے؛ حالاں کہ یہ موقع شکر بجالانے کا ہوتا ہے، سرمستی میں ڈوب کر سرپھری حرکتیں کرنے کا نہیں۔ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ عشقِ نبی کے دعویدار آپ ﷺ کے عمل سے کتنے دور ہیں؟

مرتبہ کا پاس ولحاظ

معافی کا اعلان کرتے وقت آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ’’جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو،

وہ مامون ہے"۔ یہ محض ان کی دل داری کی وجہ سے تھا، ورنہ آپ ﷺ نے تو یہ اعلان فرما دیا تھا کہ "جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے، وہ مامون ہے"؛ چنانچہ اس اعلان کے بعد ابوسفیان کے گھر کی تخصیص سوائے اُن کی دل داری کے کچھ نہ تھا؛ بل کہ روایت میں ہے کہ ان کے اسلام قبول کرلے نے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ یہ اپنے قوم کے سردار ہیں، فخر کو پسند کرتے ہیں؛ اس لئے کوئی خاص چیز ان کے لئے فرما دیجئے، تو آپ ﷺ نے ان کے مقام ومرتبہ کا خیال رکھتے ہوئے یہ جملہ فرمایا۔

آج ہم کسی کے مرتبہ کا خیال رکھنا اپنے لئے کسرِ شان تصور کرتے ہیں اور اس بات کو فخر یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں (بڑے اور اہم) آدمی کے ساتھ بھی ہم نے وہی سلوک کیا، جو ایک عام آدمی کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں، یہ سراسر اسلامی آداب کے خلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: انزلوا الناس قدر منازلھم . (......) "لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبہ کے لحاظ سے سلوک کرو"۔ آپ ﷺ کے ابوسفیان کے ساتھ یہ خیال رکھنا، جس نے آج تک آپ ﷺ کو ستایا تھا، ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہم بھی لوگوں کے ساتھ ان کے مقام کا لحاظ رکھتے ہوئے سلوک کریں۔

سخت جاں دشمن کے ساتھ عفو ودرگزر

اہل مکہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اہل اسلام کو تکلیف دینے میں کسی طرح کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی، صحابہ کے جسموں سے ابھی تک اُن زخموں کے داغ مٹے نہیں تھے، جو اہل مکہ نے ان پر لگائے تھے؛ بل کہ بعض صحابہ کے زخم تو ابھی تک رِس رہے تھے۔ اہل مکہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے آپ ﷺ کے قتل کی سازش رچی تھی، جنھوں نے صحابہ کے گھر بار اور دولت وجائداد پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا، جنھوں نے اُن کو دیارِ غیر جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ آج اُنھیں لوگوں پر فتح حاصل ہو رہی تھی، ان کے دلوں میں بھی کیا کیا اُمنگیں بدلہ لینے کی نہیں اُٹھی ہوں گی؟ انتقام لینے

کی کیا کیا تدبیریں اِن کے حاشیۂ خیال میں گردش نہیں کررہی ہوں گی؟ لیکن صفح وعفو کی ایسی مثال قائم کی گئی، جس کی نظیر قدیم وجدید تاریخ کے اوراق میں ملنی مشکل ہے۔

آج معمولی دشمن پر بھی ہمیں اگر غلبہ مل جاتا ہے تو ہم اُس پر اس طرح پِل پڑتے ہیں، جس طرح شیرِ نر اپنے شکار پر پل پڑتا ہے، معافی کا نام سنتے ہی ہمیں شاک لگ جاتا ہے، ہم تو بدلہ لینے کا بہانہ تلاشتے رہتے ہیں اور اس کے لئے رائی کو پربت بنانے سے بھی نہیں چوکتے، کاش! فتح مکہ ہماری نگاہوں کے سامنے رہے اور ہم اس کو اپنے لئے اسوہ بنا سکیں!!!



درسِ حنین

سن آٹھ ہجری کا واقعہ ہے، کفروشرک کا سب سے بڑا گڑھ ''مکہ'' فتح ہو چکا ہے اور اِس کے فتح کے ساتھ طنطنۂ کفر بھی سرد پڑ چکا ہے، اطراف واکناف کے قبائل سہمے ہوئے ہیں اور شوکت ِ اسلام کے سامنے سرنگوں ہوکر فاتحِ مکہ کے دربار میں خودسپردگی کررہے ہیں، تاہم بعض قبیلے ایسے بھی ہیں، جو نخوت کے ٹٹو پر سوار ہیں اور طوقِ طاعت اپنی گردنوں میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں، اُن قبیلوں میں مضر، جشم، سعد، غطفان، ہوازن اور ثقیف ہیں، جن کی پندارِ خودی غلغلۂ اسلام کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے؛ اِس لئے وہ اب تک سپر انداز نہیں ہوئے ہیں اور نا ہی اُن کا ارادہ سپر انداز ہونے کا ہے؛ بل کہ وہ اہلِ اسلام پر ایک ایسی یورش کی تیاری کررہے ہیں، جو سپر انداز ہونے والے قبائل کے سامنے اہل ایمان کی ہمالیائی سطوت کوز میں بوس کردے اور افلاک کی وسعتوں میں اُن کی طاقت کا ڈنکا بجتے ہوئے سن سکیں، اس کے لئے اُنھوں نے مالک بن عوف نصری کی امارت کو باتفاق رائے تسلیم کرلیا ہے۔

مالک بن عوف نصری کی امارت میں یہ تمام قبائل پیش قدمی کر چکے ہیں؛ تاکہ اہل اسلام سے پہلے ایسی جگہوں پر قابض ہوسکیں، جو قتل وقتال کے لئے ہم وار ہو اور جہاں سے اہل اسلام کو گھات لگا کر گھائل کرسکیں، چوں کہ وہ لوگ اس لڑائی کو زندگی کی آخری لڑائی تصور کر چکے تھے؛ اس لئے بچے، عورتیں اور مویشی بھی ساتھ ہانک لائے؛ تاکہ ہر سپاہی عزت وناموس کے تحفظ کی فکر میں سرشار ہوکر میدان کارزار میں کفن بردوش لڑے اور کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی ادبار و پسپائی کا ہیولیٰ نہ ابھرے۔

جب متحدہ جمعیت مقام اوطاس تک پہنچی تو سپہ سالار نے خیمہ زن ہونے کا حکم صادر کیا، جمعیت کے پڑاؤ کے بعد میدانِ حرب وضرب کے سرد وگرم کا چشیدہ دُرید بن صمہ نے پوچھا: یہ کونسی جگہ ہے؟ جواب دیا گیا: اوطاس، اس نے کہا: **نعم محل الخيل، لاحزن ضرس، ولاسهل دهس** (یہ شہسواروں کے لئے بہترین جولان گاہ ہے، نہ پتھریلی کھائی دار ہے، نہ بھربھری نشیب)، پھر کہا: **مالي أسمع رغاء البعير، ونهاق الحمير، وبكاء الصغير، ويعار الشاء** (کیا بات ہے؟ میں اونٹوں کی بلبلاہٹ، بکریوں کی ممیاہٹ، گدھوں کا شوروغوغا اور بچوں وعورتوں کی آہ وبکا سن رہا ہوں)، جواب ملا: سپہ سالار مالک بن عوف نصری نے ان سب کو ساتھ ہانک لایا ہے، دُرید نے اسے بلا کر پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: **اردت أن أجعل خلف كل رجل أهله وماله ليقاتل عنهم** (میں نے سوچا کہ ہر شخص کے پیچھے اس کے گھر والوں کو کھڑا کردوں؛ تاکہ وہ ان کی عزت وناموس کے لئے لڑے)، دُرید نے جواباً کہا: **راعي ضأن! وهل يرد المنهزم شيٌ؟ إنهاإن كانت لك لم ينفعك إلارجل بسيفه ورمحه، وإن كانت عليك، فضحتَ في أهلك ومالك** (تم نرے چرواہے ہو، کیا شکست وہزیمت کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اگر جنگ تمہارے حق میں ہو تو تمہارے لئے شمشیر زن اور نیزہ باز ہی مفید ہیں؛ لیکن اگر معاملہ برعکس ہوجائے تو تم اپنے اہل وعیال میں رسوا وخوار ہوگے)، پھر اُس نے قبیلۂ کعب وکلاب کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں، اس پر درید نے کہا: **غاب الحدوالجد، ولو كان يوم علاء ورفعة، لم تغب عنه كعب ولاكلاب، ولوددت أنكم فعلتم مافعلت كعب وكلاب، فمن شهدهامنكم؟** (اہل دانش وبینش موجود نہیں، اگر یہ شان وشوکت اور بلندی ورفعت کا دن ہوتا تو کعب وکلاب غیر حاضر نہ رہتے، میں چاہتا ہوں کہ تم بھی وہی کرو، جو کعب وکلاب نے کیا ہے، تم میں سے کون اس کے لئے

تیار ہے؟)، پھر مالک بن عوف کو عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ مقام پر لے جانے کا مشورہ دیا، جس کے جواب میں مالک نے کہا: تم بوڑھے پھوس ہو چکے ہو اور تمہاری عقل سٹھیا چکی ہے، اگر ہوازن کے لوگوں نے میری بات نہ مانی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کرلوں گا، دُرید نے مالک کی ہٹ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

يـــاليتـــنـــي فيهـــاجـــذ ع	أخُـــب فيهـــا وأضـــع
أقـــود وطـــفـــاء الـــزمـــع	كـــأنهـــاشـــاة صـــدع

(اے کاش! میں اس میں جوان ہوتا، میں اس میں دوڑتا اور (تلوار) رکھتا، اور بکریوں کی طرح چھریرے ناقابل التفات لوگوں کی رہنمائی کرتا)

اس کے بعد مالک نے اپنے جاسوس بھیجے؛ تاکہ وہ صحیح حالات سے آگاہی کریں؛ لیکن وہ مالک کے پاس اس حال میں لوٹے کہ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور رنگ فق ہو چکا تھا، وہ ''کاٹو تو خون نہیں'' کے مثل ہو کر لوٹے، جنھیں دیکھ کر مالک نے احوال دریافت کیا، اُن لوگوں نے جواب دیا: ہم نے چتکبرے گھوڑوں پر سفید پوش سوار دیکھے ہیں، جس کی وجہ سے ہم اس حال کو پہنچ گئے (الـروض الأنف، ذكـر غـزوة حنين: ٤ / ٢٠٤، نیز دیکھئے: عيون الأثر: ٢/ ٢١٣، دلائل النبوة: ٥ / ١٨٥، السيرة الحلبية، غزوة حنين: ٣ / ٦٢)۔

ہوازن وثقیف کی جنگی استعداد کی خبریں جب آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے تحقیقِ حال کے لئے حضرت عبداللہ ابن ابی حدرد اسلمیؓ کو بھیجا، انھوں نے ان کے درمیان رہ کر پوری تفصیلات معلوم کیں، پھر واپس آ کر آپ ﷺ کو بتایا، اب آپ ﷺ نے گراں باری کے ساتھ تیاری کا حکم فرمایا، جس کے لئے حضرت عبداللہ بن ربیعہؓ سے تقریباً تیس ہزار روپے بطور قرض اور صفوان ابن امیہ سے اسلحہ جات مستعار لئے، پھر چھ شوال آٹھ ہجری کو بارہ ہزار نفری کے ساتھ روانہ ہوئے۔

راستہ میں ایک مقام ایسا آیا، جہاں وہ درخت تھا، جس پر مشرکین زمانۂ جاہلیت میں اسلحہ جات لٹکایا کرتے تھے، ہر سال اُن کا وہاں قیام بھی ہوتا تھا اور اُس درخت کے پاس جانور بھی ذبح کرتے تھے، جب دائرۂ اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کا اُس درخت کے سامنے سے گزر ہوا تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ان کے ذات انواط کی طرح ہمارے لئے بھی ذات انواط بنا دیجئے، اللہ کے رسول ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا: **قلتم و الذی نفس محمد بیدہ کما قال قوم موسیٰ لموسیٰ: اجعل لنا إلٰھا کما لھم آلھة، قال: إنکم قوم تجھلون، لترکبن سنن من کان قبلکم** (اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، تم لوگوں نے ویسی بات کہی، جو حضرت موسیٰؑ کی قوم نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی کہ ہمارے لئے بھی اُن (مشرکین) کی طرح ایک معبود بنا دیجئے، پھر فرمایا: تم لوگ نادان قوم ہو اور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے کو اپنا رہے ہو) (السیرۃ الحلبیة، غزوۃ حنین: ۳ / ٦٤)۔

غزوۂ حنین پہلا موقع تھا، جس میں مسلم فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی؛ اس لئے بعض لوگوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ: آج ہم مغلوب نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کو یہ عجب پسند نہ آیا اور اِس عجب پسندی کا اُنھیں ایسا سبق دیا، جس نے ہمیشہ ہمیش کے لئے ان کے دلوں سے نخوت کو ختم کر دیا۔

اسلامی فوج ظفر موج کثرت کے نشہ میں بے پروائی کے ساتھ بڑھتی رہی؛ یہاں تک کہ مقام اوطاس کے دروں تک پہنچ گئی، جہاں ہوازن وثقیف تیر انداز پہلے ہی سے گھات لگائے بیٹھی تھی، اسلامی فوج کو دیکھتے ہیں ایسی بارش برسائی، جس کے نتیجہ میں اسلامی فوج کی طرف سے پیش قدمی کرنے والے ان نوجوانوں کے قدم اکھڑ گئے، جو فتح مکہ کے بعد تازہ تازہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اِن کے بھاگنے کی وجہ سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور جس طرف جس کا رُخ ہوا، چل نکلا، رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ برابر پیش قدمی کرتے رہے اور لوگوں کو یہ کہہ کر بلاتے

رہے کہ:

أنا النبي لا كذب   أنا ابن عبد المطلب

(میں برحق نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)

پھر دائیں اور بائیں طرف صدا لگائی: اے انصار کی جماعت! دونوں جانب سے جواب آیا: ہم حاضر ہیں، حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کے حکم سے بلند آواز سے انصار ومہاجرین کو پکارا اور کہا: **یا معشر الأنصار! یا أصحاب الشجرة!** (اے انصار کی جماعت! اے درخت والے!)، آواز کا سننا تھا کہ منتشر فوج مجتمع ہوگئی اور پلٹ کر ایسا وار کیا کہ جنگ کا رُخ ہی بدل گیا، ریخت و ہزیمت فتح و کامرانی میں تبدیل ہوگئی، اب ہوازن وثقیف اپنے ساتھ لائے ہوئے مال ومتاع اور عورتوں وبچوں کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور جو نہ بھاگ سکے، وہ گرفتار کر لئے گئے، اس جنگ میں تقریباً چھ ہزار قیدی ہاتھ آئے، جب کہ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی (چار کوئنٹل اسی کلوگرام) مالِ غنیمت کے طور ملے۔

ہوازن وثقیف کے جو جنگجو بھاگے تھے، وہ طائف اور اوطاس کے قلعوں میں جمع ہوکر دوبارہ حملہ کا ارادہ کر رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو کفر کے زور کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لئے حضرت ابوعامر اشعریؓ کو اوطاس کی طرف روانہ فرمایا، جب کہ خود طائف کے لئے کوچ فرمایا، اوطاس جلد ہی حاصل ہوگیا؛ لیکن طائف کے قلعے چوں کہ مستحکم تھے؛ اس لئے قلعہ شکن آلات اور منجنیق کا استعمال کیا گیا، یہ محاصرہ تقریباً بیس دن رہا، پھر آپ ﷺ نے مقصد حاصل ہوجانے کی وجہ سے اسے اُٹھالیا، اس موقع سے بعض نے اُن کے حق بددعا کی درخواست کی، جس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ دعا دی: **اللهم اهد ثقيفا، وائت لهم** (اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور میرے پاس آنے کی توفیق دے)۔

یہاں سے آپ ﷺ جعرانہ تشریف لائے اور مالِ غنیمت کے حصے کر کے اسے تقسیم کیا، چوں کہ اس غزوہ میں مکہ کے ان نومسلموں کی تعداد زیادہ تھی، جن کا ایمان اُس طرح پختہ نہیں ہوا تھا، جس طرح انصار اور مہاجرین کا پختہ تھا؛ اِس لئے آپ ﷺ نے تالیفِ قلب کے لئے تقسیمِ غنیمت میں اُن کا خاص خیال رکھا، یہ دیکھ کر کچھ نوجوان انصار ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ: لقد لقی واللہ رسول اللہ ﷺ قومہ (بخدا حضور ﷺ اپنی قوم سے مل گئے)، آپ ﷺ نے جب یہ بات سنی تو دلی تکلیف ہوئی اور لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم فرمایا، جب سارے انصار جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم (میرے بارے میں) کہہ سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس اِس حال میں آئے تھے کہ تمام لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ بے یار و مددگار آئے تھے، ہم نے آپ کی مدد کی، آپ اِس حال میں آئے تھے کہ کوئی جائے پناہ نہ تھی، ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا، آپ محتاج آئے تھے، ہم نے اُس محتاجی کو دور کیا، اے انصار کی جماعت! دنیا کی معمولی چیز کے سلسلہ میں مجھ سے ناراض ہو، جو میں نے نئے اسلام لانے والوں کو اُن کی دل جوئی کے لئے دیا، کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو ساتھ لے کر جاؤ؟ اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر ہجرت نہ بھی ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، لوگ الگ راستہ میں چلیں اور انصار الگ راستہ میں، تو انصار کے راستہ میں چلوں گا''، حضور ﷺ کی اس تقریر کو سننا تھا کہ سب رونے لگے؛ یہاں تک کہ داڑھیاں تر ہو گئیں، پھر سب نے بیک زبان کہا: تقسیم میں حضور ﷺ کو پا کر ہم خوش ہیں (جامع الأصول فی أحادیث الرسول، غزوۃ حنین، حدیث نمبر: ٦١٥٩، السیرۃ الحلبیۃ، غزوۂ حنین: ٣ / ٩٢)۔

ابھی آپ ﷺ جعرانہ ہی میں قیام پذیر تھے کہ ہوازن وثقیف کے ایک وفد نے آداب کورنش بجالانے کی اجازت چاہی، پھر وفد کے سردار نے درخواست کرتے ہوئے کہا: ہم آپ

کے رشتہ دار ہیں، ہم پر احسان کیجئے، جن عورتوں کو آپ نے گرفتار کیا ہے، ان میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں، اگر نعمان بن منذر اور حارث بن شمر بھی ہم پر غالب آجاتے تو ہم ان سے حسنِ سلوک کی امید کرتے، اور آپ تو سب سے بہتر کفالت کرنے والے ہیں، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: بال بچوں اور مال ودولت میں سے جو پسندیدہ ہو، اسے چن لو، ان لوگوں نے جواب دیا: ہمارے بال بچوں کو لوٹا دیجئے، ہمارے نزدیک یہی محبوب ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنا اور عبدالمطلب کے خاندان کا حصہ تو دیتا ہوں؛ لیکن عام مسلمانوں کے حصہ کا میں مالک نہیں؛ اِس لئے نمازِ ظہر کے بعد تم تمام لوگوں کے سامنے فریاد کرنا، وفد کے لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ ﷺ نے وہاں بھی وہی جواب دیا، جو پہلے دے چکے تھے، آپ ﷺ کے منشا کو سمجھتے ہوئے تمام انصار ومہاجرین نے بھی اپنے اپنے حصے دے دیئے۔(الروض الأنف، من احکام السبایا: ٤ / ٢٦٢)۔

معرکۂ حنین پر یہ ایک طائرانہ جھلک تھی، اب آیئے اِس معرکہ سے حاصل ہونے والے دروس وعبر پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں:

عجب وفخر کی ممانعت

غزوۂ حنین پہلا موقع تھا، جس میں مسلم فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی؛ اس لئے بعض لوگوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ: آج ہم مغلوب نہیں ہوں گے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اِس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: **ویوم حنین إذ اعجبتکم کثرتکم.** (التوبة: ٢٥) ''حنین کے دن (اللہ نے تمہاری مدد کی)، جب کہ تمہاری کثرت نے تمہیں عجب میں ڈال دیا تھا''، اللہ تعالیٰ کو یہ عجب پسند نہ آیا اور اِس عجب پسندی کا اُنھیں ایسا سبق دیا، جس نے ہمیشہ ہمیش کے لئے ان کے دلوں سے نخوت کو ختم کر دیا۔

آج ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو بہت سارے افراد کو اِس ممنوع چیز میں مبتلا

پاتے ہیں، کوئی اپنی دولت پر نازاں ملتا ہے تو کسی کو اپنی جائداد پر نازش ہوتی ہے، کوئی اپنی نرینہ اولاد پر فخر کرتا ہے اور سینہ پھلا کر چلتا ہے تو کوئی اپنے خاندان پر غرور کرتا ہے، جب کہ کسی کو اپنی شہرت پر شیخی اور تعلّی ہوتی ہے؛ حالاں کہ یہ چیزیں اللہ کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں؛ بل کہ وہ اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے —— غزوۂ حنین سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ فخر ومباہات کو ترک کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے نبی ﷺ کی موجودگی میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم ڈگمگا گئے تو ہم کس کھیت کے مولی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

خبر کی تحقیق

جب حضور ﷺ تک ہوازن وثقیف کی جنگی استعداد کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے تحقیقِ احوال کے لئے حضرت عبداللہ بن حدرد اسلمیؓ کو بھیجا، اُنھوں نے خبر کی پوری تحقیق کی، پھر حضور ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔

آج ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ کتنی ایسی باتیں ہوتی ہیں، جن کی تحقیق کئے بغیر ہم ایک دوسرے تک پہنچاتے رہتے ہیں اور آج کے اس جدید ٹکنالوجی کے دور میں منٹوں میں ایک خبر کو سیکڑوں افراد تک پہنچا دیتے ہیں، اور بسا اوقات اُس کا خمیازہ بھی ہمیں بھگتنا پڑتا ہے، کتنی لڑائیاں وجود میں آجاتی ہیں؛ حتی کہ بعض دفعہ فرقہ وارانہ رنگ بھی اختیار کرجاتا ہے —— ہوازن وثقیف کی خبروں کی تصدیق سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم بھی خبر کی پہلے تصدیق کریں، پھر اُس کے بعد کوئی ٹھوس قدم اُٹھائیں۔

امورِ شرک پر ناراضگی وبیزاری

جب نئے اسلام لانے والوں نے ''ذات انواط'' بنانے کی خواہش کی تو حضور اکرم ﷺ

نے ناراضگی کے ساتھ فرمایا: ''اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، تم لوگوں نے ویسی بات کہی، جو حضرت موسیٰؑ کی قوم نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی کہ ہمارے لئے بھی اُن (مشرکین) کی طرح ایک معبود بنادیجئے''، اور اُن کی اِس خواہش پر تنبیہ فرمائی۔

آج جب ہم معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو بہت سارے امورِ شرک پر لوگوں کو کاربند پاتے ہیں؛ بل کہ بسا اوقات ہمیں ایسی جگہوں پر جانے کا بھی اتفاق ہوجاتا ہے؛ لیکن کیا کبھی ہم بھی اُن امور پر ناراض ہوئے ہیں؟ کیا ہم نے اُنھیں شرک سے بیزاری کی طرف توجہ دلائی ہے؟ اور کیا ہم نے کبھی اُن امور کے انجام دہی پر اُن کی تنبیہ کی ہے؟ —— اِس غزوہ کا ایک خاص سبق یہ بھی ہے کہ اِس طرح کے امورِ شرک پر ہم بھی ناراض ہوں اور اُن امور کے انجام دینے والوں کی تنبیہ کریں، اللہ ہمیں توفیق دے، آمین!

قائد کی ثبات قدمی

تیر کی برسات کے ساتھ آگے رہنے والوں کی بھگدڑ کے نتیجہ میں جو افراتفری ہوئی اور جس کے سبب اسلامی فوج بکھر گئی، جس کا منھ جدھر اُٹھا، اُدھر ہی نکل گیا؛ لیکن آپ ﷺ کے پائے ثبات پر لغزش تک نہ آئی، آپ ﷺ برابر آگے بڑھتے رہے اور صحابہ کو آگے بڑھنے کے لئے بلاتے رہے۔

آج ہمارا معاملہ بالکل برخلاف ہوتا ہے، ہمارے قائد ہر ایسی جگہ پیچھے رہتے ہیں، جہاں اُنھیں ادنیٰ گزند پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، عوام کالأنعام کو ایسی جگہوں پر پہلے ڈھکیلتے ہیں؛ تاکہ جو بھی نقصان ہونا ہو، اسے ہوجائے، پھر جب معاملہ نمٹ جاتا ہے تو بڑی کروفر کے ساتھ آتے ہیں اور نقصان کی بھرپائی کے لئے ''کچھ'' معاوضہ کا اعلان کردیتے ہیں —— اِس غزوہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ قائد کو آگے رہنا چاہئے اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ آخری سانس تک

اُسے کسی بھی شروع کئے ہوئے مورچے پر ڈٹے رہنا چاہئے، یہ نہ ہو کہ معاملہ کو ہوا دینے کے بعد خود پردہ ایسے غائب ہو جائے، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اللہ پر بھروسہ

اِس غزوہ میں اسلامی فوج کی تعداد دوسرے کسی غزوہ سے زیادہ تھی، لہٰذا کچھ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ ہماری کثرت ہمیں مغلوب نہیں ہونے دے گی، گویا اللہ تعالیٰ پر کلی اعتماد نہ کر کے اپنی کثرت پر بھروسہ کیا اور اسی نشہ میں آگے بڑھتے رہے؛ یہاں تک کہ تیروں کے مینھ نے اُن میں انتشار پیدا کر دیا اور وہ پلٹ کر پیچھے بھاگے۔

آج ہم بھی تقریباً اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر کلی توکل نہیں کرتے، جس کے نتیجہ میں ہمارے بہت سارے کام ادھورے رہ جاتے ہیں، اگر ہم اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کریں تو ہمارے کام ان شاء اللہ ادھورے نہیں رہیں گے —— غزوۂ حنین کا ایک اہم سبق یہ بھی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین!

جنگ میں جدید آلات کا استعمال

اِس غزوہ میں حضور اکرم ﷺ نے منجنیق کا استعمال فرمایا، جو اُس زمانہ کے لحاظ سے بالکل نیا ہتھیار تھا، اِس ہتھیار کے ذریعہ بڑے بڑے پتھر قلعہ کے استحکام کو ختم کرنے کے لئے پھینکے گئے —— اِس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم بھی جنگ میں نئے زمانہ کے لحاظ سے جدید ہتھیار استعمال کریں، اس کے لئے ہمیں جدید ہتھیار تیار کرنے کی بھی ضرورت ہے اور اُس کے استعمال کے گُر بھی سیکھنے کی حاجت ہے؛ تا کہ وقت آنے پر کفِ افسوس نہ ملنا پڑے اور شکست وریخت سے دوچار نہ ہونا پڑے، جس طرح آزادیٔ ہند کے ابتدائی دور میں کف افسوس ملنا اور ہزیمت سے

دوچار رہونا پڑا تھا۔

دشمن کے حق میں دعا

محاصرۂ طائف کے دوران بعض نے محصورین کے حق میں بددعا کی درخواست کی، جس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ دعا دی: **اللهم اهدثقيفا، وائت لهم** (اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور میرے پاس آنے کی توفیق دے)۔

کیا ہمارا رویہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟ کیا ہم معمولی بات پر بددعا دینا نہیں شروع کردیتے؟ کیا ہم بھی اپنے دشمن کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہیں؟ غزوۂ حنین ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہمیں دشمن کے حق میں بددعا کے راستہ کو اپنانے کے بجائے اُن کے لئے ہدایت کی دعا کریں۔

نومسلموں کی دل جوئی

اِس غزوہ میں بہت سارا مالِ غنیمت حاصل ہوا؛ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے غنیمت کا زیادہ حصہ نومسلموں کو عطا کیا؛ حتیٰ کہ بعض افراد کو سو اونٹ سے بھی آپ ﷺ نے نوازا اور یہ صرف اس لئے تھا؛ تاکہ اُن کا ایمان مضبوط ہو جائے، خود حضرت صفوان بن اُمیہؓ کہتے ہیں: **واللــــــه لقدأعطاني رسول الله ﷺ ماأعطاني، وإنه لأبغض الناس إلي، فمابرح يعطيني؛ حتى إنه لأحب الناس إلي.** (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۱۳) ''بخدا رسول اللہ ﷺ نے مجھے نوازا جتنا کہ نوازا ، رسول اکرم ﷺ میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص تھے، چنانچہ برابر مجھے نوازتے رہے؛ یہاں تک کہ میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب بن گئے''۔

آج بھی بہت سارے نومسلم ایسے ہیں، جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں، کیا ہم اُن کے لئے ٹھکانہ فراہم کرنے کی کوشش کررہے ہیں؟ بہت سارے نومسلم ایسے ہیں، جن کے خاندان والوں نے

بائیکاٹ کرر کھا ہے، کیا ہم اُن کو خاندان دینے کے لئے محنت کررہے ہیں؟ کئی نومسلم ایسے ہیں، جو در در پہنچ کر اپنے لئے دانہ دُنکا جمع کرتے ہیں، کیا ہم استطاعت کے باوجود اُنھیں روزگار سے جوڑنے کی سعی کررہے ہیں؟ آج بھی یقیناً نومسلموں کی تالیف قلب کی ضرورت ہے؛ تاکہ اُن کا ایمان پختہ ہوسکے، غزوۂ حنین سے ہمیں ایک سبق یہ بھی ملتا ہے۔

مالِ غیر میں تصرف سے احتراز

جب ہوازن کا وفد مسلمان ہوکر آیا اور رسول اللہ ﷺ سے عورتوں اور بچوں کے لوٹانے کے سلسلہ میں گفتگو کی تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: میں اپنا اور عبدالمطلب کے خاندان کا حصہ تو دیتا ہوں؛ لیکن عام مسلمانوں کے حصہ کا میں مالک نہیں"۔

آج ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم بھی دوسرے کے مال میں تصرف سے بچتے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوتا ہے کہ دوسرے کے مال میں اُس طرح تصرف کرتے ہیں، جس طرح کوئی اپنے مال میں کرتا ہو؟ ہم تو بزور طاقت بھی دوسرے کے مال پر قبضہ جمالیتے ہیں ——— اس غزوہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم دوسرے کے مال میں تصرف کرنے سے مکمل طور پر پرہیز کریں۔

قائد کا تحمل

تقسیم غنیمت پر کچھ لوگ ناراض ہوگئے، آپ ﷺ نے بہت ہی تحمل کے ساتھ ڈیل کیا، اُن کو بلا کر اُن کے احسانات کو یاد کیا اور ایسا کرنے کی وجہ بھی بتلائی ——— آج ہم غور کریں کہ کیا ہم بھی درپیش معاملات پر تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ ہم سمندر کی جھاگ کی طرح اُبل پڑتے ہیں، جس کے نتیجہ بسا اوقات انتشار بھی پیدا ہوجاتا ہے، حضور ﷺ کے حق میں اس موقع پر کتنی بڑی بات کہی گئی؛ لیکن آپ ﷺ نے کس طرح اسے برداشت کیا؟ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم

بھی بالخصوص قائدین درپیش قضیہ کے وقت تحمل و برداشت سے کام لیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے، آمین!

یہ تھے غزوۂ حنین کے کچھ اسباق ودروس، جن پر ہمیں عمل کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین یارب العالمین!



مؤلف کی دیگر مطبوعات







